انتخاب رشک

مرتبہ

ڈاکٹر انصار اللہ

اتر پردیش اردو اکادمی

سلسلۂ مطبوعات : ۹۶

اِنتخابِ رشک

محمد انصار اللہ

اتر پردیش اردو اکادمی، لکھنؤ

© اتر پردیش اردو اکادمی

انتخاب رشک

محمد انصار اللہ

پہلا ایڈیشن ۱۹۸۳

تعداد : ۱۰۰۰

قیمت -/۳ روپیہ

عزیز الجبار خاں، سکریٹری اتر پردیش اردو اکادمی نے نامی پریس سے چھپوا کر بلہرہ ہاؤس قیصر باغ، لکھنؤ ۲۲۶۰۰۱ سے شائع کی۔

پیشِ لفظ

لکھنؤ کے دبستان شاعری کو بامِ عروج پر پہونچانے والوں کی مختصر سے مختصر فہرست میں میر علی اوسط رشک کو ضرور جگہ ملے گی۔ اصلاحِ زبان کی جو تحریک ناسخ سے منسوب ہے اسے رشک نے فعالی اور بالیدگی عطا کی۔ زمانے کا رنگ کچھ ایسا بدلا کہ رشک جیسے شاعروں کے کلام کو گوشۂ گمنامی میں جگہ ملی۔ اترپردیش اردو اکادمی نے اساتذہ کے انتخاب کلام کی اشاعت کا ایک جامع منصوبہ مرتب کیا ہے۔ انتخاب کلامِ رشک اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

سربرآوردہ محقق ڈاکٹر محمد انصار اللہ نے لکھنؤ کے دبستان شاعری کا عمیق مطالعہ کیا ہے۔ رشک پر جو وسیع تحقیقی مقالہ انھوں نے لکھا ہے، اس پر گورکھپور یونیورسٹی نے انھیں پی ایچ ڈی کی ڈگری تفویض کی، انھوں نے رشک کے تیسرے دیوان کو بھی مرتب کیا۔ زیرِ نظر انتخاب رشک موصوف کی کاوشوں کا نتیجہ ہے، اکادمی ان کا شکریہ ادا کرتی ہے۔

امید ہے کہ اکادمی کی دوسری مطبوعات کی طرح اسے بھی حسنِ قبول ملے گا۔

محمود الٰہی
چیرمین
مجلسِ انتظامیہ

اترپردیش اردو اکادمی
قیصر باغ، لکھنؤ
۲۶ جنوری ۱۹۸۳ء

مقدمہ

اپنے نسب کے بارے میں میر علی اوسط رشک نے کہا ہے کہ ؎

رشک پھولا سماتا نہیں پیراہن میں بارے اس کا شجرہ آلِ عبا تک پہنچا

ان کا خاندان بہ گمانِ غالب عرب سے عراق گیا۔ وہاں شہر واسط میں مقیم ہوا، پھر شام کے موضع حلّہ میں منتقل ہو گیا۔ ہندوستان میں یہ لوگ دہلی سے قنوج ہوتے ہوئے فیض آباد پہنچے۔ اسی جگہ تیرھویں صدی ہجری کے پہلے یا اٹھارہویں صدی عیسوی کے آخری عشرے میں میر علی اوسط پیدا ہوئے۔ ابھی تربیت پوری نہیں ہوئی تھی کہ ان کے والد سید سلمان ۲۱ شوال ۱۲۱۹ھ مطابق جنوری ۱۸۰۵ء کو بروز چہارشنبہ رحلت کر گئے۔ ان کے انتقال سے متعلق رشک کے دیوان میں دو قطعات موجود ہیں، ان سے سید سلمان کے بارے میں پتا چلتا ہے کہ وہ اپنے زمانے کے مذہبی حلقے میں معزز و محترم تھے چنانچہ اُن کی وفات کی خبر سن کر ؎

چہ فقیر و چہ محدث، چہ امیر و چہ فقیر جمع بودند بصد گونہ پریشانی حال

خود سید سلمان کے بارے میں رشک کا بیان ہے کہ ؎

آں سید واسطی و حلّی و فقیہ در علم و عمل رشید و کامل ہے ہے

سید سلمان نے اپنے بعد کئی بیٹے اور بیٹیاں چھوڑیں۔ اُن میں سے بڑی بیٹی کی شادی سلمان کے چھوٹے بھائی کے بیٹے سید امانت علی کے ساتھ ہوئی تھی جس کا مولد قنوج تھا، اسی نے میر علی اوسط کی تربیت کا بار اٹھایا۔ اس کی وفات سے متعلق قطعہ تاریخ میں میر علی اوسط نے اعتراف کیا ہے ؎

بعد مرگ والدِ من تربیت کرد او مرا
چو نیارم در غمِ او تا بہ اب افسوس والے

اس کی ماں کے انتقال کے وقت پر بھی میر علی اوسط نے اس احسان کا ذکر کیا تھا ؎

آں عمۂ من کہ پرورش کرد مرا — زیں دارِ فنا گذشت، اِنّا للہ
ایں صوری و معنویست تاریخ وفات — شنبہ ششم جمادی الاول ۔ آہ

۱۲۳۳

فیض آباد ہی میں ۱۲۲۹ھ مطابق ۱۸۱۴ء میں میر علی اوسط کی شادی ہوئی۔ اس بیبی کے بارے میں انھوں نے اطلاع دی ہے کہ اس کا مولد فیض آباد تھا لیکن لکھنؤ میں اس کا مکان تھا۔ یہ "کنیز بنتِ پیمبر" اور "خوش خصال" تھی۔ اس کے بارے میں رشک کا کہنا ہے ؎

زوجۂ من در تقاد زہد و ایثار و طاع
بود از نسوانِ عالم عمدہ ایمانم گواہ

رشک کے بیان کے مطابق اُن کی اس بیبی کا سالِ ولادت ۱۲۱۱ھ مطابق ۱۷۹۶ء تھا اور یہ چالیس سال کی عمر میں مری تھی۔ میر ضامن علی شوق جو رشک کے بڑے صاحب زادے تھے اسی کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔

میر علی اوسط نے رشک تخلص کے ساتھ فیض آباد کے قیام کے زمانے میں ہی شعر کہنا شروع کر دیا تھا۔ سعادت خاں ناصر نے لکھا ہے:

"اس نقل کا اُن (رشک) کی زبانی بیان کہ ..... مرزا محمد تقی خاں ترقی کے دولت خانے میں صحبت مشاعرہ مقرر اور روز مقررہ وہاں ازدحام اہل فضل و ہنر۔ چار و ناچار میر مستحسن خلیق کو کہ فیض آباد میں ان سے بہتر کوئی نہ تھا غزل دکھلائی اور ہنرمندوں کی زبان سے واہ واہ پائی۔ چندے زمانہ اسی طور سے گزرا۔ ۱۲۳۱ھ میں ..... جنابِ عالیہ نے انتقال کیا اور

سرشتہ روزگار کا برہم ہوا۔ (خوش معرکہ ص ۳۰۹)

رشک کے دیوان میں خلیق کی وفات کا قطعہ مندرج ہے۔ اس میں انہوں نے تلمذ اختیار کرنے کا صراحت سے اعتراف نہیں کیا ہے لیکن یہ کہا ہے کہ خلیق ع

خاص دریں طریق بود استاد

ناصر نے بھی خلیق سے ان کے باضابطہ تلمذ اختیار کرنے کی بات نہیں کہی ہے۔

رشک کے کلام میں نواب بہو بیگم ماجہ سے متعلق کوئی قطعہ مندرج نہیں ہے اس بنا پر کہا جاسکتا ہے کہ انھیں جناب عالیہ کی خدمت میں براہِ راست رسائی حاصل نہ تھی، البتہ ان کی سرکار میں ملازم رہے ہوں گے۔

میر علی اوسط رشک کے ایک خالہ زاد بھائی میر اسد تھے جو نواب معتمد الدولہ آغا میر کی خاص محل کے عزیزوں میں تھے جب جناب نواب غازی الدین حیدر مسند نشین ہوئے اور مرزا حاجی کی برطرفی کے بعد معتمد الدولہ کو دوبارہ اُن کی نیابت ملی تو معتمد الدولہ کے تمام اعزا کا رسوخ بڑھا۔ میر رشک کی والدہ اس وقت زندہ تھیں، امکان ہے کہ ان کی وجہ سے میر اسد میر علی اوسط رشک کی معتمد الدولہ کے بڑے صاحبزادے امین الدولہ آغا علی خاں مہر کی خدمت میں رسائی کا ذریعہ بن گئے ہوں، میر رشک نے میر اسد سے متعلق کئی قطعاتِ تاریخ کہے ہیں۔ مثلاً

قطعہ تاریخ وفاتِ والدۂ میر اسد کہ خواہرِ مادرِ میر رشک بود

۱۲۳۸ھ

قطعہ تاریخ سوختنِ ایوانِ میر اسد ۱۲۴۷ھ

قطعہ تاریخ غرق شدنِ میر اسد و سلطان محمود ۱۲۵۲ھ

اِن قطعات سے پتا چلتا ہے کہ رشک کے میر اسد سے آخر تک اچھے مراسم رہے۔ میر اسد شاعر تھے، صبر تخلص کرتے تھے اور ناسخ کے شاگرد تھے۔ ناسخ سے

میر رشک کے روابط میں استحکام کے پیدا ... ہونے میں بھی ممکن ہے میر اسد کو کچھ دخل ہو لیکن سعادت خاں ناصر نے اس بارے میں جو لکھا ہے یہ ہے :

"عزم بالجزم سکونت لکھنؤ کا ٹھہرا۔ اس وقت (رشک نے) ... دریافت حالِ شعرائے لکھنؤ میر (خلیق) ..... سے کیا ..... فرمایا کہ میرے دوستوں میں شیخ امام بخش ناسخ ہیں ..... فی زماننا ایسا شاعر نہیں۔ ان کی خدمت میں حاضر رہنا ..... لکھنؤ میں آیا اور میر امجد علی ہشیار کی معرفت شیخ صاحب کی خدمت میں باریاب ہوا۔ دہ ربیع الاول ۱۲۳۱ ہجری تھا کہ ابتدائے زمانۂ شاگردی ہوا ..... لفظ ناسخ اور لفظ رشک کے دائی سند ہوئے" (خوش معرکہ ۲/ص ۳۰۹ تا ۳۱۱)

یعنی ناسخ + رشک

۷۱۱ + ۵۲۰ = ۱۲۳۱ھ

رشک تمام عمر اس تلمذ پر فخر کرتے رہے۔

لکھنؤ میں رشک کا قیام چودہ برس کے قریب رہا۔ ۱۲۴۵ھ مطابق ۱۸۲۹ء میں معتمد الدولہ اور ان کے بیٹے امین الدولہ کے ساتھ وہ بھی کانپور آ گئے۔ شروع میں چند روز جوہی کے میدان میں رہے پھر کانپور میں سکونت اختیار کر لی یہاں بھی ان کا قیام مختصر ہی رہا۔ ۱۲۶۷ھ مطابق ۱۸۵۱ء میں وہ نواب امین الدولہ کے ساتھ کربلائے معلا کے لئے ہجرت کر گئے۔ وہیں ۱۲۸۴ھ مطابق ۱۸۶۷ء کو وفات پائی۔

میر علی اوسط رشک کے دیوان تین ہیں۔

نظم مبارک پہلا دیوان ہے جو ۱۲۵۳ھ مطابق ۱۸۳۷ء میں مرتب ہوا تھا۔ اس میں جو کچھ کلام ہے شیخ ناسخ کا اصلاح کردہ ہے۔

دوسرا دیوان نظم گرامی ہے جو ۱۲۶۱ھ مطابق ۱۸۴۵ء میں مرتب

ہوا تھا۔ اس دیوان سے پہلے وہ ایک لغت ۱۲۵۶ھ مطابق ۱۸۴۰ء میں مرتب کر چکے تھے جس کا نام "نفس اللغہ" ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ لغت نویسی نے ان کی فکر کو بہت زیادہ متاثر کیا تھا چنانچہ اُن کے دوسرے اور تیسرے دیوان میں ایسے اشعار کا تناسب زیادہ ہے جو کسی خاص لفظ کے معنی اور محل استعمال کے اظہار کے لئے ہی کہے گئے ہیں۔ شاعری کے بارے میں ان کے نقطۂ نظر کو سمجھنے کے لئے اِن کا مطالعہ زیادہ ضروری ہے۔

رشک کے پہلے دونوں دیوان مولوی محمد حسین کے اہتمام سے پہلی مرتبہ ۱۲۶۱ھ مطابق ۱۸۴۵ء میں اس طرح چھپے کہ پہلا حوض میں اور دوسرا اس کے حاشیہ پر لکھا گیا۔ اس وقت کتاب کی ضخامت ۴۰۳ صفحات کی تھی اور آخری قطعہ تاریخ ۱۲۵۳ھ کا تھا۔ اس میں میر رشک کے تحریر کے ضابطوں کی پوری طرح پابندی نہیں ہو سکی تھی اس لئے اس سے وہ مطمئن نہیں ہو سکے۔ انھوں نے بعض اوراق کی دوبارہ کتابت کرائی اور ایک طویل غلط نامہ آخر میں شامل کرایا جو ان کے املا اور تحریر کے اصولوں کی تفہیم کے لئے بہت مفید ہے۔ اس بار انھوں نے بہت سے قطعات تاریخ جو ۱۲۵۳ھ کے بعد کے تھے شامل کرا دیے۔ اس طرح اُن کے یہ دونوں دیوان ۱۲۶۳ھ مطابق ۱۸۴۷ء میں چھپ کے شائع ہو سکے۔ یہی مطبوعہ نسخہ اب کتب خانوں میں محفوظ ہے۔ ۱۲۶۱ھ کا چھپا ہوا نسخہ راقم کو صاحب زادہ سید فضل المتین صاحب سجادہ نشین درگاہ شریف اجمیر نے ازراہِ علم نوازی عنایت کر دیا تھا۔ اس انتخاب کی تیاری میں اس سے بھی مدد لی گئی ہے۔

تیسرا دیوان غیر مطبوعہ ہے۔ اس کا کوئی نام بھی مقرر نہیں کیا گیا تھا۔ یہ اسی سال مرتب کیا گیا تھا جب رشک کربلائے معلّا کے لئے روانہ ہوئے تھے، پہلے گورکھپور اور علی گڑھ کے نسخوں کی مدد سے راقم نے اسے بہت کوشش سے مرتب کیا ہے۔

میر رشک نے اپنے استاد شیخ ناسخ کی "سراج نظم" اور ان کے کلیات کو بھی بہت محنت سے مرتب کیا تھا۔ کلیات ناسخ کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ رشک کے یہاں متن کی تدوین کے سلسلے میں ایک تصور پایا جاتا تھا۔

میر علی اوسط رشک کھل کر کہتے تھے ع

کہ رشک شیعی اثنا عشر ہے بے شبہ

اور انھوں نے اپنے کلام میں محبوب و معشوق کی حیثیت سے بالاعلان حضرات آئمہ کا ذکر کیا ہے۔ خود کہتے ہیں ؎

میرا معشوق وہ محبوب خدا ہے اے رشک
جس کے بھائی کے تھے سلمان و بوذر عاشق

نتیجہ یہ ہے کہ ان کے تینوں دواوین میں عشق کا ماورائی تصور نہیں ہے بلکہ وہ اپنے مضامین اور خیالات ہی نہیں تشبیہات و استعارات بھی اسی دنیائے آب و گل سے اخذ کرتے ہیں۔

انسانی شخصیتوں کی شکل و شباہت عادات اور معاملات بڑی حد تک متعین ہوتے ہیں اس لئے ان کے ذکر میں بھی یکسانیت کا پایا جانا قدرتی ہے، چنانچہ میر رشک اور ان کے ہم مسلک تقریباً سبھی شعراء کے یہاں ایسی غزلیں ملتی ہیں جن پر عنوان قائم کیا جا سکتا ہے اور جن میں مضمون و خیال کی یکسانیت پائی جاتی ہے۔

ماورائیت سے ارضیت کی طرف آ جانے کا اثر یہ ہے کہ میر رشک کے دیوان میں محبوب کے لئے پوری صراحت کے ساتھ تانیث کے اسماء افعال بھی آئے ہیں مثلاً

معشوقہ ہے کون سی جو اے حور عاشق ترے نام کی نہیں ہے

میر رشک کی شاعری کا تعلق ذہن اور فکر سے ہے۔ وہ خود کہتے ہیں ؎

تحقیق لفظ کرتا ہے تنبیہہ رات دن سقم و غلط کے حرف مرے حرف گیر ہیں

انہوں نے لفظوں کے املا، معنی، محل استعمال ہی نہیں بلکہ تلفظ پر بھی زور دیا ہے اور اس کے لئے بھی ضابطے مقرر کرنے کی کوشش کی ہے۔ "غلط نامے" سے پتہ چلتا ہے کہ عربی فارسی لفظوں کو بھی اردو کے تلفظ کے مطابق لکھنے پر وہ زور دیتے تھے مثلاً انہوں نے "زمانہ" کو غلط قرار دے کر "زمانا" بنایا۔ اسی طرح طوبیٰ، موسیٰ وغیرہ کو وہ طوبا، موسا لکھتے اور نظم کرتے تھے۔ انھوں نے نماز گزار (نماز ادا کرنے والا) اور نماز گذار (تارکِ نماز) میں فرق کیا ہے۔ نظم گرامی کے طبع اول میں ایک شعر اس طرح چھپ گیا تھا ؎

شراب عشق میں حیران ہیں نماز گزار　　حلال چیز کو کیونکر کوئی حرام کرے

طبع ثانی میں "نماز گذار" لکھوایا۔

شاہ نصیر وغیرہ کے برخلاف قدرتِ کلام کے اظہار کے لئے انھوں نے لزوم مالا یلزم کی تعمیل سے ایسی ہی قیدیں عاید کی ہیں جن کا تعلق عروض و قافیہ اور لغت و معانی سے ہے۔ ان کے دواوین کا اصل فائدہ اسی صورت میں حاصل ہوگا جب زبان اور فن کے ضابطوں کی تحصیل و تفہیم مقصود ہو لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ ان کے یہاں عمدہ خیالات اور اثر انگیز انداز بیان کی کمی ہے۔ مذہب پسندی نے اُن کے خیالوں میں ابتذال اور شوقیانہ پن کی صورت نہیں پیدا ہونے دی۔ بعض وقت تو بہت سامنے کی باتیں نظم کی ہیں لیکن ان میں بھی فکر انگیزی اور خیال آفرینی کا عنصر شامل ہوگیا ہے۔ کثرتِ مشق نے ان کے کلام میں ایسی صفائی پیدا کردی ہے کہ بیشتر آمد کا دھوکا ہوتا ہے۔ اگرچہ بعض شعروں میں تعقید کی صورت پیدا ہوگئی ہے ان کے دواوین میں بہت بڑی تعداد ایسے شعروں کی ہے جو اپنی صفائی اور معنویت کے لحاظ سے ضرب المثل بن جانے کی صلاحیت رکھتے ہیں

میر علی اوسط رشک کے کلام میں مقامی اثرات بہت نمایاں ہیں۔ وہ تشبیہیں اور تلمیحیں بھی عموماً مقامی روایتوں اور چیزوں سے حاصل کرتے ہیں اس اعتبار سے

ان کا کلام بیشتر دہلوی شعراء کے کلام سے بدیہی طور پر مختلف ہے۔ جذبات اور وارداتِ قلبی کی کمی کو انھوں نے اخلاقی اور کارآمد باتوں کے بیان سے پورا کر لیا ہے۔ ان کے دیوان میں بہت شعراء ایسے مل جائیں گے جو ہماری روزمرہ زندگی کے لئے مفید ہیں۔

میر رشک نے بنیادی طور پر غزل کی صنف کو اختیار کیا ہے۔ اُن کے مقاصد کی تکمیل میں یہی صنف سب سے زیادہ معاون ہو سکتی تھی۔ عام طور سے انھیں لمبی بحروں سے دلچسپی نہیں ہے۔ غزل کے علاوہ دوسری اصناف میں بھی ان کی طبیعت بند نہیں ہے۔ اس انتخاب میں کوشش کی گئی ہے کہ مختلف بحروں کی ان کی غزلیں شامل کر لی جائیں اور دوسری اصناف میں ان کی تخلیقات کی بھی جھلک پیش کر دی جائے۔ خدا کرے کہ یہ مفید ثابت ہو۔

اس انتخاب کی تیاری کی تحریک اترپردیش اردو اکادمی نے کی ہے۔ میں اس کا ممنون ہوں۔ فقط

محمد انصار اللہ

بیت الابصار

۴/۵۸۵ سرسید روڈ

سرسید نگر، علی گڑھ

دوشنبہ ۲۷ دسمبر ۱۹۸۲ء

غزلیات

دیوانِ اوّل نظم مبارک

اِسی صورت ۔ جو خیالِ رخِ جاناں ہو گا
سینہ داغوں سے خیابانِ گلستاں ہو گا

کفر و ایماں میں کبھی فرق نہ سمجھیں گے ہم
خطِ رخسار بتوں کا خطِ قرآں ہو گا

ایک دن کام ہی آجاتا ہے کھوٹا پیسا
داغ سینے کا چراغِ شبِ ہجراں ہو گا

خطِ تقدیر کا مضمون یہ مفہوم ہوا
آکے دنیا میں ہر اک خوار و پریشاں ہو گا

حشر میں داغِ غمِ آلِ پیمبرؐ اے رشک
باعثِ راحت و آمرزشِ عصیاں ہو گا

دامن ہے ابرِ تر مژۂ اشکبار کا
طاؤس ہے نمونہ دلِ داغ دار کا

تجھ پر یقین گل کا ہے، مجھ پر ہے خار کا
تو سرو ہے تو مجھ میں ہے عالم چنار کا

پتھر کسی کا دل ہے، کسی کا دل آئینہ
شستند رہوں کارخانۂ پروردگار کا

گھر گھر تلاشِ یار میں پھرتا ہوں جبر سے
خانہ خراب ہو دلِ بے اختیار کا

اے رشکؔ ایک بارہ مہینے ہے اعتقاد
جپتا ہوں نام آٹھ پہر ہشت و چار

ہوگا ہمچہرہ روے دلبر کا
منہ کوئی دیکھے ماہ انور کا

چشمِ تر کا جو امتحان کروں
نام کوئی نہ لے سمندر کا

سنگِ غم سے نہ ہو سکا سرتاب
کوہکن بن گیا تھا پتھر کا

خود نمائی سے کب ملی فرصت
آئینہ کب حضور سے سرکا

گردشِ چشم ادھر بھی اے ساقی
نہ کروں گا سوال ساغر کا

کشورِ فقر بے تکلف ہے
ایک ہے حکم خاک و افسر کا

مجھ کو سلمان کی قسم اے رشکؔ
بندۂ کمتریں ہوں بوذرؓ کا

دیدہ سمندر سے سوا ہوگیا
دیکھتے ہی دیکھتے کیا ہوگیا

دیکھئے اللہ کی یہ قدرتیں
سنگ سے بت، بت سے خدا ہوگیا

تابہ کجا موجۂ دریائے یاس
ساحلِ امید کو کیا ہوگیا

کچھ مجھے پروا نہیں ناصح کی اب
خوش رہے بیجا جو خفا ہوگیا

اصل کو بھی غور کرے آدمی
کون تھا، کس چیز سے کیا ہوگیا

تیری ہدایت جسے حاصل ہوئی
خضر کا وہ راہنما ہوگیا

اب یہ مناجات سے حاصل ہوا
ہاتھ ہر اک وقفِ دعا ہو گیا

بات جو کھلتی تو منا تے اسے
آج وہ پوشیدہ خفا ہو گیا

دیکھ لیا تجھ کو اسی راہ سے
نامہ بروں کا تو بھلا ہو گیا

اور ہی عالم نظر آیا ہمیں
دیدۂ انصاف جو وا ہو گیا

آج ہوا باغ کی بیرنگ ہے
دم کسی بلبل کا ہوا ہو گیا

میرے گلے پڑ گئی کیوں زندگی
موت کو حیران ہوں کیا ہو گیا

یہ بھی نہ پوچھا کبھی صیاد نے
کون رہا، کون رہا ہو گیا

رشک کو کیا پوچھتے ہو دوستو
نقشِ فنا تھا، سو فنا ہو گیا

حوروں میں ہے چرچا تری نازک بدنی کا
شہرا ہے چمن میں تری گل پیرہنی کا

رُتبا کم و بالا نہیں محتاج و غنی کا
آباد رہے ملک غریب الوطنی کا

کیونکر نہ کروں سجدۂ شکرانۂ خالق
مسجودِ خلائق ہوں، نہ محتاج غنی کا

اور اس سے سوا کیا کہوں اے شامِ غریباں
مفہوم بنایا ہے غریب الوطنی کا

اے رشک وہ مصراعوں سے ہے قندِ مکرر
جس شعر میں مضمون ہے شیریں دہنی کا

آنکھوں کو بحرِ غم نے سمندر بنا دیا
سینے کو سوزِ عشق نے مجمر بنا دیا

آنکھیں بتوں کو ہوتیں تو چھوٹوں نہ پوچھتے
اِن کو خدا نے دیکھ کے پتھر بنا دیا

ذی رتبہ ہم فقیروں کی دولت ہیں اہلِ زر
منعم انھیں ہمیں نے بگڑ کر بنا دیا

رکھا چراغِ برق سرِ گور ابر نے
پھر بوندیوں کو پھولوں کی چادر بنا دیا

پروانہ، کبکِ فاختہ، بلبل، ہم ایک ہیں
دستِ قضا نے ایک مقدر بنا دیا

اللہ رے آپ کی نظرِ کیمیا اثر
تانبے کو بارہا زرِ احمر بنا دیا

اے رشک دیگا اثر درِ غم سے وہی نجات
جس نے عصائے چوب کو اژدر بنا دیا

یہی تھا عدم کو اے دلِ ناکام لیتا جا
زرِ داغِ سلوکِ گردشِ ایام لیتا جا

ثواب اے قاصدِ کوئے بتِ خود کام لیتا جا
خطِ شوقِ اسیرِ عبسِ آلام لیتا جا

لکھی ہے سرگذشتِ ہجر، سرنامے تک اے قاصد
کتابِ داستانِ عاشقِ بدنام لیتا جا

جو گزرا ہے ادھر سے دیکھتا ہی جا سوِ عاشق
سلامِ شوق میرا اے بتِ خود کام لیتا جا

سراسر پائے اعضائے تن اے غافل عبادت کو
جبین و دست و پا سے کچھ نہ کچھ تو کام لیتا جا

جو بیڈھب ہے رہِ ملکِ عدم اے رشک کیا غم ہے
خدا کا، مصطفا کا، مرتضا کا نام لیتا جا

○

خدا ہے شاہد کہ اس صنم سا کسی صنم کا بدن نہ دیکھا
سنی نزاکت، سنی حلاوت، کمر کو مثلِ دہن نہ دیکھا

ریاض دنیا کی کیا حقیقت، ریاض جنت کو ہے تمنا
کسی نے اے عندلیب و قمری وہ سروِ گل پیرہن نہ دیکھا

ہزاروں مضمون ہم نے باندھے، چھپا جو موئے نظر کمر سے
لئے تصور نے لاکھوں بوسے جو روئے غنچہ دہن نہ دیکھا

خیالِ یعقوب میں نہ آتا گمان پیراہن پسر کا
ہزار افسوس اس نے تیرا پرانا بھی پیرہن نہ دیکھا

بنائے مدفن عجیب گھر ہے، کب انہدام مکاں کا ڈر ہے
رہِ فنا راہِ بے خطر ہے یہاں غمِ راہِ زن نہ دیکھا

غزل کا ہر شعر گرم تر ہے کلام رشک آتش شرر ہے
یہ صحبتِ مہر کا اثر ہے کہ سرد اس کا سخن نہ دیکھا

○

بجا کہ استادی

منحصر ایک پیری پر نہیں جلاد ہیں سب
ایک ظالم ہو تو کہئے ستم ایجاد ہیں سب

رحمدل ایک نہیں، مائلِ بیداد ہیں سب
ایک صیدِ دلِ خوں گشتہ ہے صیاد ہیں سب

تو وہ لیلا ہے کہ مجنوں ہے زمانہ تیرا
تو وہ شیریں ہے کہ تیرے لئے فرہاد ہیں سب

خضر و الیاس رہے زندۂ جاوید تو کیا
دو اگر شاد ہیں دنیا میں تو ناشاد ہیں سب

پھولوں میں نالۂ بلبل نہیں کرتا تاثیر
شنوا ایک نہیں گوش بفریاد ہیں سب

کون ہے جس سے کروں شکوۂ یارانِ عدم
کہ وہ سب بھول گئے مجھ کو مجھے یاد ہیں سب

غم و رنج و قلق و محنت و درد و آزار
کس طرح مجھ سے جدا ہوں مرے ہمزاد ہیں سب

ایک سا حالِ مکانِ دلِ عشاق نہیں
کبھی آباد ہیں یکسر کبھی برباد ہیں سب

کس کے شاگرد ہیں خوبانِ جہاں حیرت سے
اے فلک جور و ستم میں ترے استاد ہیں سب

دردمندوں پر اگر بندہ نوازی تو کرے
اے اجل قیدِ ستم سے ابھی آزاد ہیں سب

میری فریاد سے تا مرغِ ہوا روتے ہیں
ہوں وہ برباد کہ میرے لئے برباد ہیں سب

مطمئن ایک کو دنیا میں نہ دیکھا اے رشک
شاکیِ گردشِ چرخِ ستم ایجاد ہیں سب

○

شعر گوئی میں ہیں استاد جنابِ ناسخ
معنی آرا سخن ایجاد جنابِ ناسخ

رکھتے ہیں باغِ سخن فکر و قلم سے سرسبز
نزہتِ گلشنِ ایجاد جنابِ ناسخ

افصحِ ہند ہیں، آباد ہے اقلیمِ سخن
یا الٰہی رہیں آباد جنابِ ناسخ

مثبتِ شرعِ نبیؐ، شیعیِ اثنا عشری
مبطلِ دعویِ الحاد جنابِ ناسخ

غیرِ قرآن و احادیث و کلامِ ارشاد
اور کچھ رکھتے نہیں یاد جنابِ ناسخ

ہوتے تو دادِ سخن سعدی و حافظ دیتے
رکھتے ہیں طبعِ خداداد جنابِ ناسخ

اصفہانی یہی لکھتے جو سمجھتے اردو
قبلہ و کعبہ و استاد جنابِ ناسخ

نواماں ان سے ہوئی خلقتِ موزونیت
طبعِ موزوں کے ہیں ہمزاد جنابِ ناسخ

بندۂ خاص ہوں شاگرد ہوں اُن کا اے رشک
میرے مولا، مرے استاد جنابِ ناسخ

○

سسک رہے ہیں کئی ناتواں سے باہر
قدم نکال کسی دن مکان سے باہر

کلامِ یار کی تعریف کس زباں سے ہو
ہے خوش بیانیِ جاناں بیان سے باہر

نہ ہونے میں ہی ہے لطفِ دہن رہو خاموش
سمجھ کے بات نکالو زبان سے باہر

ہمارے ساتھ ہے پیمانۂ دل اے خمّار
نکال شیشہ و ساغر دکان سے باہر

کرے گا چرخ مری گور سے بھی کجبازی
کوئی زمین نہیں آسمان سے باہر

تمہارے گھر سے اگر نام لوں نکلنے کا
نکال دو مجھے سارے جہان سے باہر

برائے جلوہ کثیف و لطیف یکساں ہیں
نہ آپ جسم سے باہر نہ جان سے باہر

کیا مجھے ثمرِ نخلِ آہ نے ممنون
وہ بارہا نکل آئے مکان سے باہر

وہ شعر کیا کہ معانی ہوں بطنِ شاعر میں
غلط یہ ہے رہے مغز استخوان سے باہر

اثر تلمذ ناسخ کا کیوں نہ ہو اے رشک
تمام طرزِ سخن ہے بیان سے باہر

○

حرم میں یا دبتِ اے ریائی، عبادتیں کر تو بے ریا کر
خدا کے پردے میں بُت پرستی، خدا خدا کر، خدا خدا کر

لکھا جسے خطِ شوق میں نے، وہی ہوا ایک قلم مکدّر
ملے مجھے سرنوشت اپنی، تو خاک کر دوں مٹا مٹا کر

جو وصف مژگان و خطِ گیسو، کسی سے لکھوائیے سرِ مو
سیاہ کرتا ہے لاکھوں دستے، عبارتِ خط بڑھا بڑھا کر

بتوں سے اے رشک امید وصلت ہے سخت عقل و خرد کی خفت
محال کی آرزو میں دقّت، خدا خدا کر، خدا خدا کر

○

رشک نادان ہوئے جاتے ہو دانا ہو کر
سامنا نظروں کا کرنے لگے دریا ہو کر

آنکھوں کی گیسوؤں کی چاہ کا منہ کالا ہو
آدمی اس کنویں میں گرتا ہے اندھا ہو کر

کھل گئی فرطِ خموشی سے رہِ ربط دہن
بات پوشیدہ نہیں رہتی ہے افشا ہو کر

غرقِ فرعون میں تھا مردم آبی کا کلام
اور دعوائے خدائی کرے بندا ہو کر

گلۂ غیر ہے بیجا جو کروں اپنوں سے
دل طرفدار بتاں ہو گیا اپنا دشمن ہو کر

میرے تن پر گلِ زخم اتنے کھلے اب کی بار
رہ گئی آپ کی تلوار بھی دونا ہو کر

چشم بیمار کے بیمار کو کیا دیکھو گے
اپنی آنکھوں سے تو عاجز ہو مسیحا ہو کر

لطف پیری میں جوانی کا کہاں ہے اے رشک
حسرت آتی ہے کہ کیا ہو گئے ہم کیا ہو کر

○

سب مجھے بے سر و پا کہتے ہیں
اے محبت اسے کیا کہتے ہیں

جو کچھ اس بت کو برہمن نے کہا
ہم کہیں اس سے سوا کہتے ہیں

میں جو رو دوں اسے کہتے ہیں مرض
وہ ہنسے اس کو دوا کہتے ہیں

دیکھئے عشق کی افسوں سازی
لوگ افسانہ مرا کہتے ہیں

مردم قافلہ ہیں اہلِ جہاں
دلِ ناداں کو درا کہتے ہیں

کیا ہوا کہیئے جو اس بت کو خدا
لوگ بندوں کو خدا کہتے ہیں

کاتب آجائے تو قاصد نہ ملے
اسے قسمت کا لکھا کہتے ہیں

حق ہے حق اور ہے باطل باطل
بت بھی اب تجھ کو خدا کہتے ہیں

سجدۂ شکر، جفا پر کرنا ہے
اس کو ہم لوگ وفا کہتے ہیں

میں کہاں، کوچۂ سفاک کہاں
دیکھئے اس کو قضا کہتے ہیں

رشک سے بات بھی کرتے نہیں اب
کہیئے اس بات کو کیا کہتے ہیں

○

رابطہ ہے لبِ جاناں سے ہمیں
کام ہے چشمۂ حیواں سے ہمیں

منہ لگایا ہے تو آبِ حیواں
دیجئے چاہِ زنخداں سے ہمیں

دھوپ سے بھی ہے زیادہ پرہیز
سایۂ دامنِ احساں سے ہمیں

چشمۂ چشم کہاں، ابر کہاں
بحث کیا بارش و باراں سے ہمیں

الفتِ سر ہے نہ افسر کا خیال
کیا علاقہ سر و ساماں سے ہمیں

نہ نکالے گا کبھی بختِ سیاہ
ظلمتِ شامِ غریباں سے ہمیں

چھٹ گئی صحبتِ جاناں اے رشک
رنج ہے ربطِ تن و جاں سے ہمیں

○

دور کعبے سے رہا کرتا ہوں
ادب و خوفِ خدا کرتا ہوں

دل جو پہلو سے جدا کرتا ہوں
دردِ پہلو کی دوا کرتا ہوں

گلشنِ دہر میں ہوں نکہتِ گل
بے پر و بال اڑا کرتا ہوں

یاد ہے نرگسِ بیمار بتاں
یعنی بیمار رہا کرتا ہوں

ناصحو عشق میں رکھو معذور
جانتا ہوں کہ برا کرتا ہوں

ہو گیا جب سے درِ گلشن بند
زیرِ دیوار رہا کرتا ہوں

شیخ بگڑے کہ برہمن بگڑے
میں ترا نام لیا کرتا ہوں

غم کونین کسے ہے اے رشک
ماتمِ آلِ عبا کرتا ہوں

○

باغ جاناں فراق میں گوروں سے کم نہیں
غلمان گورے گورے بھی گوروں سے کم نہیں

روشن ہے آگے تنگ ظرفیِ فلک
خورشید و ماہ دونوں سکوروں سے کم نہیں

تیری شرابِ لطف و عنایت کے واسطے
گلہائے باغِ دہر کٹوروں سے کم نہیں

سینے سے دل چرا کے چراتے نہیں نظر
یہ بُت بھی کان پور کے چوروں سے کم نہیں

یارب یہ گورے ہیں کہ فرشتے عذاب کے
بنگلے بھی کان پور کے گوروں سے کم نہیں

پائی جدھر ہوائے محبت، کیا تباہ
دزدانِ دل بھی شمع کے چوروں سے کم نہیں

جاتے ہیں مجھ سے چھپ کے ترے گھر جو رات کو
اغیار تیرہ بخت بھی چوروں سے کم نہیں

خالِ سیہ صباحت رخ سے بنے نجوم
اے رشک اہلِ زنگ بھی گوروں سے کم نہیں

○

صفت غنچہ و گل اہلِ سخن کرتے ہیں ہم تری مدحتیں اے غنچہ دہن کرتے ہیں

کیا نوائے عبث اے غنچہ دہن کرتے ہیں
باغ میں تیری صفت مرغِ چمن کرتے ہیں

گفتگو بزم جہاں میں ہے تری باتوں کی
ذکر تیرا ہی تمام اہلِ سخن کرتے ہیں

مجھ کو لے جائیں چمن میں تو بگڑ جائے ہوا
ہم فقط خاطرِ مرغانِ چمن کرتے ہیں

جسم خاکی میں مری روح یہی کرتی ہے
قفس تنگ میں جو مرغ چمن کرتے ہیں

سرو قد، غنچہ دہن، سنبل و گل، گیسو و رخ
مجھ کو کیا دیکھتے ہیں سیرِ چمن کرتے ہیں

دیکھنے آتے ہیں بیمارِ تنِ پُر داغ اے رشک
لوگ جو ہی ہیں تماشائے چمن کرتے ہیں

○

کہتا ہے کون آٹھ پہر میرے گھر میں رہ
رہنا ہے یہ کہ دل میں پھرا کر نظر میں رہ

مانند زور و قوتِ دل، دل کے گھر میں رہ
مانند نور و مردمِ دیدہ نظر میں رہ

کہتا ہے کون بن کے در و بام گھر میں رہ
مثلِ غبار و بانگِ جرس تو سفر میں رہ

کچھ امن ہے تو کوچۂ جاناں میں امن ہے
اے دل اسی گلی میں، اسی رہ گزر میں رہ

میں ناتوان و لاغر و کاہیدہ ہوں، تو کیا
اے فکر تو نقور موئے کمر میں رہ

دشمن اگر ہے دست بقبضہ، رہا کرے
دستِ سپر سے سیکھ حفاظت، سپر میں رہ

اے رشکؔ اسی طریق میں پائی رہِ نجات
دنیا سے دین کی رہِ خوف و خطر میں رہ

○

دل نہ قابو میں ہے نہ دلبر ہے
موت اس زندگی سے بہتر ہے

آیئے جب مزاج میں آئے
خانۂ دل حضور کا گھر ہے

اے اجل خانۂ جہاں سے نکال
کہ یہ احسان حد سے باہر ہے

رونے بیٹھوں تو لوگ کہتے ہیں
ابر تر ہے کہ دیدۂ تر ہے

کہتی ہے خوبیِ خرام بتاں
کبک پا پوش کے برابر ہے

تھک گئے کوہکنِ سنگ انداز
تیرا دیوانہ ہے کہ پتھر ہے

خوش ہیں اس سروِ ناز سے گل و سرو
دوست پرور ہے، بندہ پرور ہے

پوچھتے کیا ہو اس فقیر کا حال
اب تو تکیہ فقط خدا پر ہے

وہی اچھے جو خانہ ویراں ہیں
گھر بنانا فساد کا گھر ہے

خواب میں بوئے یار آتی ہے
فرش تو فرش، گھر معطر ہے

کیوں نہ چمکے غزل تمام اے رشکؔ
منہ کا مضمون ماہِ انور ہے

○

مشتاقِ سیرِ لالہ دل داغ دار ہے
ہنگام آمدِ فصلِ بہار ہے

آوارگانِ عشق کا قاصد ہے گرد باد
حالِ شکستہ لائقِ خطِ بہار ہے

اپنے حضور پانی سے پتلی ہے آبرو
تکلیف دعا ز تنگ یہاں تنگ و عار ہے

بچپن سے گو رہے مجھے آغوشِ والدین جھولے کے بدلے گردشِ لیل و نہار ہے
اے رشک ہم بھی ہیں ہوسِ شوقِ قتل میں
قاتل اگر کمیتِ ہوا پر سوار ہے

○

غیر دشمن ہوئے یارانِ وطن بھول گئے
آپ جب سے ہمیں اے مشفقِ من بھول گئے
عیبِ فریاد سے بات اہلِ سخن بھول گئے
زمزمے نغمہ سرایانِ چمن بھول گئے
اس قدر گردشِ تقدیر سے گھبرا گئے ہم
صدمۂ کجروی چرخِ کہن بھول گئے
کیا کہیں رنجِ غریب الوطنی کی لذّت
شامِ غم دیکھتے ہی صبحِ وطن بھول گئے
اس قدر دور ہوئے عالمِ ارواح سے ہم
نام کیا صورتِ یارانِ وطن بھول گئے
شبِ فرقت جو خیال آیا تری آنکھوں کا
سارے آفاتِ بیک چشم زدن بھول گئے
خاک میں سونپتے ہی بات نہ پوچھی افسوس
ایک ہی روز میں یارانِ وطن بھول گئے
رُخ و قدّ و بدن غنچہ لب ایسا بھایا،
کہ ہم اے رشکِ گل و سرو و سمن بھول گئے

○

ہم سیہ بختوں کو سولی پر چڑھانا اور ہے
دار عیسیٰ اور ہے، زلفِ چلیپا اور ہے
خود بخود قربان ہونے کے لئے جاتے ہیں لوگ
راہِ مقتل اور ہے، کعبے کا رستا اور ہے
کس نے دیکھا ہے خدا کو، دیکھتے ہیں تم کو سب
طور موسا اور ہے، کوٹھا تمھارا اور ہے
نامۂ جاناں ہے، یا لکھا مری تقدیر کا
خط کی انشا اور ہے، لکھنے کی املا اور ہے
آئینہ آئینۂ عارض کو پہنچے منہ کہاں
عکسِ دنیا اور ہے، حیران کرنا اور ہے
دل کہاں اے رشکِ دست کوتہ وحشت کہاں
میرا صحرا اور ہے مجنوں کا صحرا اور ہے

○

درد سر نغمۂ بلبل سے سوا ہوتا ہے
دم مرا بادِ بہاری سے ہوا ہوتا ہے
یہ ہے تحقیق کہ تقلید سے کیا ہوتا ہے
پوجنے سے کہیں پتھر بھی خدا ہوتا ہے
ایک دن عید کا دنیا میں، تو غم کا عشرہ
رنج آرام سے وہ چند سوا ہوتا ہے
تو بھی چھٹ جائیگا اے غیر! اسے مجھ سے نہ چھڑا
کہ بد اندیش کا انجام برا ہوتا ہے
ان دنوں کہنے کے قابل نہیں واژونی بخت
خوش کروں جس کو وہی مجھ سے خفا ہوتا ہے

بدلیسی

قیدِ عشقِ خطِ و گیسو سے چھٹا کون اے رشک
مو بمو کیوں گردِ دامِ بلا ہوتا ہے

○

بتوں کو دلِ مبتلا چاہتا ہے — کوئی کوہِ آفت گرا چاہتا ہے
نہ چاہیں اگر شیخ و زاہد نہ چاہیں — بتوں کی ترقی خدا چاہتا ہے
خدا سے ملائے گا عشقِ مجازی — جدائی کا پردہ اٹھا چاہتا ہے
خیالِ محال آگیا میرے دل میں — وفائے بتِ بیوفا چاہتا ہے
سزا کیوں نہ دے رشک کو رنجِ فرقت
خدا سے بتوں کو سوا چاہتا ہے

○

خلقتِ غم درد وہ ہے جو دوا پیدا کرے
یہ وہ حاجت ہے کہ خود حاجت روا پیدا کرے
نام جود و بخشش و صبر و قناعت پر ہے ختم
بادشہ پیدا کرے یا بینوا پیدا کرے
حصر کچھ ایجاد میں اشیائے ممکن کو نہیں
جس کو چاہے خلق کا فرمانروا پیدا کرے
اس زمانے میں دکانِ شعر سے بہتر نہیں
جو کوئی چاہے کہ جنسِ ناروا پیدا کرے
وصل بھی اے رشک تجویزِ طبیبِ خلق ہے — آپ سے آزادِ عشق آپ ہی دوا پیدا کرے

لہ آپ ہی = آپی = آپ + ہی

○

ایجادِ رسم و راہِ وفا ہو خدا کرے
تم بھی کبھی کبھی مجھے چاہو خدا کرے

ڈالی لگا لگا کے دوئی جس نے بیچ میں
اس دشمنِ خدا کا برا ہو خدا کرے

باور کسے ہے وعدۂ معدوم کا وجود
جو منہ سے کہہ رہے ہو بجا ہو خدا کرے

پی کر شراب غیر کو وہ بُت کرے کباب
اے دورِ چرخ اب یہ مزا ہو خدا کرے

اللہ خاطرِ بتِ کافر میں رحم دے
پرسانِ بندگانِ خدا ہو خدا کرے

اے رشک ہم نہ کہتے تھے مجھ غنا نہ ہو
اس سے زیادہ اور کرا ہو خدا کرے

○

دیوان دوم نظم گرامی

حمد میں نعت میں خامہ جو گہر بار ہوا
رشک بارِ غمِ عصیاں سے سبکبار ہوا

کس حلاوت سے ہوا نظم و مرتب دیواں
یہ سوا قندِ مکرر سے شکر بار ہوا

کہے ہر بحر میں اشعار روانی کے ساتھ
میرا بیڑا کسی دریا میں چڑھا پار ہوا

اڑ گیا طائرِ رنگِ رخِ اسی شاعر کا
آزمانے کو یہاں جو کوئی طیّار ہوا

کارِ احسان خلائق کبھی درکار نہیں
میرے رازق نے دیا جو مجھے درکار ہوا

سچ یہ ہے روشنیِ طبع بلا ہوتی ہے
چاند کامل جو ہوا نقص بھی درکار ہوا

فرصتِ اس نظمِ گرامی سے جو پائی اے رشک
۱۲۶۱
بہر تاریخ یہی نام سزاوار ہوا

○

جھوٹ خود بول کے کرنے لگے شکوا الٹا
کیا کریں آپ کہ آیا ہے زمانا الٹا

ربطِ ہم جنس سے ہو کام کوئی کیا الٹا
کبھی اوڑھیں، نہیں ہونے کا دوشالا الٹا

مالِ جو صرف ہوا، پھر کے کہاں آتا ہے
کبھی بہتا نہیں دیکھا، کوئی دریا الٹا

عملِ نیک و بد اک روز ثمر لاتا ہے
بیج بونے میں نہیں دیکھتے سیدھا الٹا

وہی لکھئے اُسے جو ہم کو الٹ کر وہ لکھے
جیسے آقا کہ برابر ہے یہ سیدھا الٹا

اک غزل زور یم طبعِ رواں سے کہیے
قافیہ اور ردیف اس میں ہو دریا الٹا

○

نقشہ ایسا ہے مرے شمشاد کا
رنگ جمتا ہی نہیں بہزاد کا

جو صلے دیکھو کہ مرغانِ چمن
ڈھونڈھتے پھرتے ہیں گھر صیاد کا

ہر جفائے یار پر ہے صبر و شکر
ہے وظیفہ ہر چہ بادا باد کا

جس کی آبادی اجاڑی آپ نے
نام تھا دل، اس خراب آباد کا

علم پابندہ ہے، فانی ہے ہنر
نام لکھنے سے رہا حدّاد کا

فیضِ ناسخ رشک میں کیونکر نہ ہو
کالبد ہے خاک فیض آباد کا

○

اِن بتوں سے جو رہ و رسم ہے جاری رکھنا
اے خداوندِ جہاں بات ہماری رکھنا

پالکی اور جنازے میں نہیں ایسا فرق
جو نبھے گور تک اے دل وہ سواری رکھنا

اے غم و درد و الم، عیش جہاں فانی ہے
کام آئے گا ملاقات تمھاری رکھنا

گلشنِ حسنِ بتاں پھولے پھلے یا اللہ
اس چمن میں اثرِ بادِ بہاری رکھنا

چشمِ بلبل کا کمر بند، رگِ گل سی کمر
گلبدن کی تمھیں زیبا ہے کٹاری رکھنا

آشنا دوست نہیں بحرِ فنا اے منعم
چشمۂ فیض ہے دولت اسے جاری رکھنا

دل کی طاقت گھٹے، یا نور گھٹے آنکھوں سے
چاہیے خاطرِ پُر نور تمھاری رکھنا

لاکھ احباب سنائیں لبِ شکوہ نہ کھلیں
مدد اے حوصلہ تو بات ہماری رکھنا

ہمیں برسوں رہے ہیں تیرے لئے خانہ بدوش
کچھ جگہ دل میں جو رکھنا تو ہماری رکھنا

ہم سے باتیں رہیں اوروں سے رہے خاموش
اتنی اے غنچہ دہن بات ہماری رکھنا

وہ موحد ہوں کہ دن رات ہے رازق سے دعا
ایک سرکار سے روزی مری جاری رکھنا

سرِ حاسد کے لئے تیغِ زباں کافی ہے
مجھ میں عادت مرے استاد کی جاری رکھنا

رشک جب تک رہے، محسود رہے دنیا میں
آبرو بندے کی اے حضرتِ باری رکھنا

○

○

مرے نالوں میں ہمسر جوشِ دریا ہو نہیں سکتا
مرا ہم گرد صحرا میں بگولا ہو نہیں سکتا

دوا سے ہجر کا بیمار اچھا ہو نہیں سکتا
دعا سے دیکھیں، ہو سکتا ہے کچھ یا ہو نہیں سکتا

وہ بلبل ہوں کہ فصلِ گل میں غوغا ہو نہیں سکتا
وہ طوطی ہوں کہ آئینے سے گویا ہو نہیں سکتا

گراں جانی بھی اس سنجیدگی کے ساتھ ہے مجھ میں
کہ کوہِ کوہکن پا سنگ میرا ہو نہیں سکتا

چھپاؤ شکل یا تقریر، پردے پر وہ کہتا ہوں
کہ مجھ کو تم سے، تم کو مجھ سے پردا ہو نہیں سکتا

وہ ذرہ ہوں کہ خورشیدِ قیامت بھی نہ چمکائے
وہ قطرہ ہوں سمندر سے بھی دریا ہو نہیں سکتا

وہ گمرہ ہوں کہ خضر آئے ہدایت کو تو گمرہ ہو
وہ مردہ ہوں کہ عیسیٰ سے بھی زندا ہو نہیں سکتا

وہ وحشی ہوں کہ مجھ سے بھاگتا ہے آہوِ وحشت
وہ مجنوں ہوں کوئی ہم پیشہ میرا ہو نہیں سکتا

وہ سرگشتہ ہوں وحشت ہر قدم چکراتی ہے مجھ سے
مرے دورے میں کوئی سر بصحرا ہو نہیں سکتا

قبولِ خاطر و لطفِ سخن اے رشک اور ہی ہے
نہیں تو شاعروں سے اور کیا کیا ہو نہیں سکتا

جو دیدۂ یکبیں ہے وہ منظر ہے خدا کا
جس دل میں نہیں شرک وہی گھر ہے خدا کا

اَلمِنّۃُ لِلّٰہ کہ حق بیں ہیں یہ آنکھیں
احسان خدا کا کہ یہ دل گھر ہے خدا کا

سب کون و مکاں قدرتِ صانع کا ہے مظہر
اندھے ہیں جو کہتے ہیں کہ مظہر ہے خدا کا

اسمائے مقدس ہیں صفاتی ہوں کہ ذاتی
تعظیم میں ہر نام برابر ہے خدا کا

جز حمد و مناقب نہیں کچھ کام شب و روز
مجھ پر کرمِ بے شک مقرر ہے خدا کا

جن دنوں کچھ اور ارادا تھا، بہانا اور تھا
وہ زمانا اور تھا، وہ کارخانا اور تھا

ساجدانِ کوئے جاناں کا زمانہ اور تھا
وہ جبینیں اور تھیں، وہ آستانا اور تھا

داغِ دل کیونکر لٹا دیتا میں حاتم کی طرح
وہ خزانہ اور تھا، میرا خزانا اور تھا

کیوں نہ کرتا وہ شکار افگن دلِ عشاق صید
ہر نشانہ اور تھا، دل کا نشانہ اور تھا

میرے عرضِ حال میں پڑھنے لگے تم نل دمن
وہ فسانہ اور تھا، میرا فسانہ اور تھا

زخمیِ تیرِ نگہ تیغِ زباں ـــــ سے مر گئے
تیر کھانا اور تھا، تلوار کھانا اور تھا

شاہِ خیبر گیر سے مرحب کو نسبت کون تھی
در ہلانا اور تھا، مگدر ہلانا اور تھا

عاشقِ صادق کو معشوقِ حقیقی چاہیے
قیس ابلہ اور تھا بہلول دانا اور تھا

دینِ احمدؐ سے نہ تھے اے رشکِ ادیانِ سلف
وہ زمانہ اور تھا، اگلا زمانہ اور تھا

○

مغبچہ چاہیے حاتم کی طرح زر دینا
مثلِ قاروں ہے عبث قعرِ زمیں بھر دینا

اپنے ہوتے ہیں اکسیر سے بھی یہ اصنام
خاک لینا انھیں آتا ہے نہ پتھر دینا

پھول بن جاتے ہیں گلگشت میں اس گل کے غلام
سرو کہتے ہیں نہ آزاد ہمیں کر دینا

قطعہ

کیا کہوں صانعِ تقدیر سے میں کہہ نہ سکا
اپنی خلقت میں جو مانگوں وہ سراسر دینا

راس مطلب ہے کہ سر کبر سے رکھنا خالی
نہ ہوں سرتاب وہ سودائے جہاں بھر دینا

سمجھیں اہلِ دلِ آفاق بڑا عالی ظرف
دل مجھے وسعتِ دنیا کے برابر دینا

آتشِ شوق کسی وقت نہ بجھنے پائے
جائے سینہ سفر و گلخن و مجمر دینا

آنکھیں کیا چشمِ تصور میں بھی دم بھر نہ سمائے
جسم دینا تو یہ کاہیدہ دلا غزدینا

عینِ الطافِ دغایات سے اے چشمۂ فیض
آنکھیں بینا جو ہو منظور سمندر دینا

سخن یاوہ و اقوالِ پریشاں نہ سنوں
کان دینا ہوں تو اے کانِ کرم کر دینا

ہو زباں ایسی کہ جز شکر نہ ہو گویائی
جنبشِ لب میں فقط حمد و ثنا بھر دینا

منہ سے غیر سخنِ فیض نہ نکلے کوئی بات
لبِ دریا مجھے دینا، لبِ ساغر دینا

ہاتھ پاؤں تو سلام اور دعا کی خاطر
طلب و جور سے خالی تو انھیں کر دینا

عیش اربابِ صفا رشک کو دینا یا رب
غم جو دینا تو غمِ آلِ پیمبرؐ دینا

○

آتشِ عشق میں کیا کیا نہیں جلتے دیکھا
دل تو کیا چیز ہے لوہے کو پگھلتے دیکھا

قدرِ دنیائے دو روزہ ہے فنا ہونے سے
برگ ریزی کو اسی باغ میں پھلتے دیکھا

روزِ محشر کی درازی کی قسم دیتا ہوں
کہہ تو دے کوئی کہ دن ہجر کا ڈھلتے دیکھا

کوئے قاتل میں یہ کیوں ہے، یہ کھانا ہے
بھونتے دیکھے جگر، ہاتھوں کو تلتے دیکھا

ہجرِ جاناں میں کہیں جینے سے مرنا بہتر
زندگانی کے مزے کو یہیں کھلتے دیکھا

پرورش تیری ہے ماہی و سمندر سے عناں
کوئی پانی میں، کوئی آگ میں پلتے دیکھا

چوکڑی بھول گئے میرے حواسِ خمسہ
اُس کی لگھی کو سڑک پر جو نکلتے دیکھا

مثلِ اوراقِ شجر رنجِ خزاں میں اے رشک
جس کو دیکھا کفِ افسوس ہی ملتے دیکھا

○

تم نے کیوں عشق کی چھپائی بات
آخر اے رشک منہ پر آئی بات

طرفہ سارق ہیں دزدِ معنی بھی
اپنی کر لیتے ہیں پرائی بات

حلق سے نکلی، خلق میں پھیلی — ہم نے سو بار آزمائی بات
کیا کہوں حالِ بد مزاجیِ یار — خفگی ہے ہنسی، لڑائی بات
دی دعا مغفرت کی بھائیوں کو — ماہِ کنعاں کی ہم کو بھائی بات

شادی اِس سے سوا ہو کیا اے رشک
حورِ جنّت کی مجھ سے آئی بات

○

امید مغفرت کا لائے ناسخ — خیال نقد دیں دنیائے ناسخ
حضور چشمِ افلاکِ معانی — زمین شعر زیرِ پائے ناسخ
فصاحت ہو، بلاغت ہو کہ تحقیق — نہ ہوگا کوئی تجھ سا ہائے ناسخ
دمِ فکرِ سخن آئی ہے مجھ کو — صدائے ہائے ناسخ ہائے ناسخ
نہ جاتے لکھنؤ سے کیوں سوئے خلد — وہاں خالی پڑی تھی جائے ناسخ
جو ہوتے صائب و سلمان و سعدی — تو خالی پھر بھی رہتی جائے ناسخ
سوائے گفتگوئے دین و ایماں — نہ گذرا لحظۂ دنیائے ناسخ
تعجب کیا جو رکھوں طبعِ عالی — کہ ہوں اک بندۂ دانائے ناسخ

محبِ شافعِ محشر تھے اے رشک
نہیں ہرگز غمِ فردائے ناسخ

○

رہے تیرا گھر اے نگاہ آباد — پھر دکھایا ہمیں الٰہ آباد
پائے تختِ شہانِ حسنِ دل — ایک ہوتا تو کہتے شاہ آباد

ٹیڑھے بانکے اسی سے بیدھے ہوئے
رہے یارب وہ کجکلاہ آباد

جہل خانہ ہے اس کا یا جنت
اس کو کرتے ہیں بیگناہ آباد

دائرے ہیں نقوشِ حلقۂ زلف
دل کا محمورہ ہے الا آباد

دلِ عاشق ہے اے بتو کعبہ
کرو اس کو خدا کی راہ آباد

دیکھے جس گھر کو عین لطف سے تو
کرے اس کو بیک نگاہ آباد

کھینچ لایا ہے جذبِ یار اے رشک
ہم کہاں تھے، کہاں الہ آباد

○

جیسا کوئی پتھر نہیں پارس کے برابر
تیرتھ نہیں دنیا میں بنارس کے برابر

ہر گھاٹ کے پتھر ہوئے پارس کے برابر
بجرا ترا پہنچا جو بنارس کے برابر

تشبیہہ سوادِ ختن و زنگ خطا ہے
ہر کوچۂ گیسو ہے بنارس کے برابر

کیونکر نہ ہوں گھر کانِ طلا، لکھپتیوں کے
ہر سنگ بنارس میں ہے پارس کے برابر

پھولوں میں کہاں اے گلِ تر تیری صباحت
ہر صبح نہیں صبحِ بنارس کے برابر

اس ہستی یک ہفتہ کے دن سیر میں گزرے
منگل نہیں دنیا میں بنارس کے برابر

اندھیر تو کیا کفر ہے اے رشک جو کہئے
ہے صبحِ وطن صبحِ بنارس کے برابر

○

تنگ ہیں الیاسؑ میرے دل کا صحرا دیکھکر
خضر رو دیتے ہیں دریا آنسوؤں کا دیکھکر

رنج و آفت میں پھنسے، سیر و تماشا دیکھکر
اے فلک کیا کیا نہ دیکھا ہم نے کیا کیا دیکھکر

گرد بادوں پر ہوا کینپو[1] کے گرجوں کا گماں
کوٹھیوں کے جنگلے آئے یاد صحرا دیکھکر

زاہدوں کی سبحہ گردانی سے ثابت ہو گیا
کرتے ہیں کارِ ریائی استخارا دیکھکر

تیرے چھڑیوں کے دوپٹے سے جو ملتا ہے مزا
لطف یہ پاتے نہیں چھڑیوں کا میلا دیکھکر

نامہ بر کے لتے لے ڈالے مرا پڑھتے ہی نام
جامے سے باہر ہوا خط کا لفافہ دیکھکر

کارِ عقبا میں تعمّق کی نظر بیکار ہے
کارِ دنیا کرتے ہیں انجام جیسا دیکھکر

رشک کا پائے طلب کوتاہ رہتا ہی نہیں
راہِ جنت لی ترے آنے کا رستا دیکھکر

○

ہے حسنِ بتاں سے ستم ایجاد بنارس
یارب رہے اس ظلم پہ آباد بنارس

پتھر کی عمارت بھی ہے دریا بھی ہے شیریں
غالب ہے کہ ہو مسکنِ فرہاد بنارس

---

[1] کینپ، کینپو، کینپور، کانہہ پور وغیرہ کانپور کے قدیمی نام ہیں، جو اس زمانے میں انگریزوں کی عملداری میں تھا۔

ہر چیز نظر آتی ہے بے ساختہ رنگیں
تصویر ہے بے مانی و بہزاد بنارس

پوشیدہ اگر ایک ہوا، ایک عیاں ہے
تزئین میں ہے جنتِ شدّاد بنارس

ہر کوچہ حسینوں سے ہے پریوں کا اکھاڑا
شاید ہے پرستان کا ہمزاد بنارس

جس حسن کا مسکن ہے اسی حسن کے ساکن
محبوب پری زاد، پری زاد بنارس

ہر چند دیئے داغ مجھے گل بدنوں نے
لیکن یہ دعا ہے رہے آباد بنارس

مقبولِ خدا ایک ہے، مقبول بتاں ایک
توام ہیں مگر جنتِ شدّاد بنارس

جز قبرِ حزیں[1] کوئی نہیں خانۂ احزاں
بالکل ہے سرور و طرب آباد بنارس

احباب کو جانے کی نہیں یاد ہماری
اے رشک نہ آئے ہمیں کیوں یاد بنارس

○

یاد آتی ہے ہم کو وہ تری یاد فراموش
سب تو نے کیا اے ستم ایجاد فراموش

انسان وہ ہے سابق و لاحق کو نہ بھولے
شاگرد فراموش ہے استاد فراموش

محبوبِ اجل میں جو وفا ہے وہ ہے کس میں
کرتی ہی نہیں موت مری یاد فراموش

دیکھا جو ترے کوچۂ رنگیں کا تماشا
دنیا کو ہوا گلشنِ شدّاد فراموش

تو یاد کرے یا نہ کرے خوش ہو کہ ناخوش
کرتے نہیں مجھ کو ترے ناشاد فراموش

سال و مہ و روز و شب و شام و سحر اے رشک
مجھ کو نہیں ہوتا غمِ استاد فراموش

---

[1] شیخ علی حزیں فارسی کے مشہور شاعر گزرے ہیں۔ رشک کے استاد ناسخ بھی ان کے بہت عقیدت مند تھے

○

تیرے رخسار ہیں کس نام کے، کس راس کے پھول
کہیں دیکھے نہیں اس رنگ کے، اس باس کے پھول

انگلیاں دیکھ کے، پھلیاں سی، یہ اے رشکِ چمن
زرد ہو ہو گئے باغوں میں املتاس کے پھول

رہتے ہیں تازہ و شاداب تہی دستی میں
داغوں کو کیوں نہ کہوں گلشنِ افلاس کے پھول

دو گھڑی بیٹھئے تو لذتِ تازہ پائیں
منتظر باغ میں ہیں آپ کے اجلاس کے پھول

تو گلِ گلشنِ فردوس ہوا اے رشکِ چمن
اور سب پھول ترے سامنے ہیں گھاس کے پھول

اہلِ بینش نہ کریں سیرِ چمن کیوں اے رشک
شعرِ رنگین مرے ہیں گلشنِ قرطاس کے پھول

○

لحنِ داؤد یہ تانوں میں دبا لیتے ہیں
دون کی آپ کے دمساز بجا لیتے ہیں

میرے ہم پیشہ ہیں درپے مرے نقصانوں کے
کچھ نہیں پاتے تو مضمون چرا لیتے ہیں

یہی ڈرتا ہوں نہ لگ جائے کہیں شعلۂ حسن
ناچ میں منہ جو وہ دامن میں چھپا لیتے ہیں

سچ مثل ہے کہ صدائے دہل از دور خوشست
دور سے ہم تری باتوں کا مزا لیتے ہیں

بزم عالم میں ہیں معشوق کے سپرد عاشق
سوز شمع سے پروانے اڑا لیتے ہیں

خانۂ عاریتی دار جہاں ہے اے دل
گھر جو لیتے ہیں کرایے کا بجا لیتے ہیں

عاشق اے رشک کیا ان کی سخن سازی نے
کہ بگڑتا ہوں تو کچھ بات بنا لیتے ہیں

○

ہوں پنجتنی پانچ مددگار بہت ہیں
پروا نہیں گو دشمن و اغیار بہت ہیں

معشوق کو کیا چاہیے تلوار تپنچہ
انداز و ادا کے تمہیں ہتھیار بہت ہیں

ہے جائے عجب نشۂ ہستی کا طلسمات
چھوٹا سا تو میخانہ ہے میخوار بہت ہیں

رحمت ہی سبکبار کرے گی تو کریگی
ہم بار جرائم سے گرانبار بہت ہیں

تھا کوہ کن و قیس کا ایک ایک ٹھکانا
جنگل مجھے بے حصر ہیں کہسار بہت ہیں

ہم بچ رہے تو جائیں گے جنت میں مقرر
کل سات جہنم ہیں گنہگار بہت ہیں

اکثر صفت جامۂ رنگین بتاں ہے
رنگین بہت شعر ہیں تہدار بہت ہیں

اے رشک غزل ہو کہ قصیدہ ہو کہ قطعہ
اچھے ہوں تو دو چار بھی اشعار بہت ہیں

○

کم ہے پراگ میں، نہ سوا کان پور میں
ہے سب جگہ، مزا جو ملا کان پور میں

کیوں رہنے کی ہوس نہ ہو مجھ کو کنارِ گنگ
آتی ہے لکھنؤ کی ہوا کان پور میں

دیوارِ خانۂ بت ترسا ہے اور میں
ہاتھ آ گیا ہے ظلِّ ہما کانپور میں

کچھ عشق سے زیادہ عدالت میں جذب ہے
رہتا ہوں یا پراگ میں یا کان پور میں

یارب ادا ہے اُس بُتِ ترسا کی یا اجل
لاتی ہے آدمی کو قضا کان پور میں

اے کارساز خانۂ کپنو خراب ہو
جو آ گیا خراب ہوا کان پور میں

کچھ اور وجہِ تسمیہ کانوں نہیں سنی
ارباب سمع بھر گئے کیا کان پور میں

کپنو ہے لکھنؤ کی ہوا میں پسند طبع
چلتی ہے صبح و شام صبا کان پور میں

عیسا کے بھی علاج کا شہرا نہیں سنا
اطفالِ ڈاکٹر کے سوا کان پور میں

اے رشک جز غبارِ پریشاں نہیں ہے خاک
مٹی ہوئی خراب رہا کانپور میں

○

قسمت الٹی ہے کیا کروں اس کو
دوست دشمن ہے دوش دوں کس کو

تو نظر آئے، دیکھئے جس کو
اور توحید کہتے ہیں کس کو

محو اپنا ہے دیکھئے جس کو
حق پرستی کا ہوش ہے کس کو

غمزہ، عشوہ، کرشمہ، ناز، انداز
ایک دل کس کو دوں نہ دوں کس کو

دیکھ کر مجھ کو یار بھاگ گیا
دل سے اے طاقت و تواں کھسکو

رشک بھولا ہوا ہے لطفِ حیات
یاد فرمائیے کبھی اس کو

○

بے حجابانہ کبھی منہ جو دکھا دیتے ہو
تو وہی کا کہیں پردہ ہو اٹھا دیتے ہو

حجتیں کرتے ہو اوصافِ دہن سن سن کر
قصہ کوتاہ تمہیں بات بڑھا دیتے ہو

منہ نہیں دھوتے ہو برساتے ہو ابرِ رحمت
مہندی ملتے نہیں ہو، آگ لگا دیتے ہو

دل لگی اس کو نہ سمجھو تو ہم اک بات کہیں
ہم تمہیں دیتے ہیں دل، تم ہمیں کیا دیتے ہو

جس دم آجاتے ہو اے رشک غزل گوئی پر
نئے انداز کے اشعار سنا دیتے ہو

○

ننگ ہے مال و زرِ دنیا، خدا سے مانگئے
مانگئے کچھ بھی تو استغنا خدا سے مانگئے

طالبِ رویت ہوئے موسیٰ تو غش کھا کر گرے
جس قدر ہو حوصلہ، اتنا خدا سے مانگئے

ہے فنا بحرِ جہاں کو اور ما فیہا سراب
کس لئے دنیا و ما فیہا خدا سے مانگئے

دولتِ جاوید و اولاد و کمال و طولِ عمر
چار دن کے واسطے کیا کیا خدا سے مانگئے

کارِ تیر و تیغ کرتا ہے یہاں دستِ سوال
مانگنا چھٹ جائے، کچھ ایسا خدا سے مانگئے

حوصلہ مردم شناسی کا یہاں باقی نہیں
اب شناسائے خدا ہونا، خدا سے مانگئے

جس نے منعم کو کیا منعم[1] کمی اس کو نہیں
مانگنا بندے سے ہے بیجا، خدا سے مانگئے

دولتِ آسائشِ دنیا تو بندوں سے ملی
دولتِ آسائشِ عقبا خدا سے مانگئے

نورِ ظاہر عارضی ہے، نورِ باطن دائمی
چشمِ بینا کیا، دلِ بینا خدا سے مانگئے

خلق کو ٹھہرائیے روزی رسانِ خلق اگر
پھر نہیں ملنے کا بہتر اخدا سے مانگئے

ہمتِ عالی جھکے تو خاکساری کی طرف
پھر ملے خورشید، اگر ذرہ خدا سے مانگئے

سہل ہے اے رشکؔ زادِ راہِ کینو لکھنؤ
زادِ راہِ یثرب و بطحا خدا سے مانگئے

○

باطن کو رابطہ ہے تو ظاہر کے ساتھ ہے
لطفِ مزاجِ لطفِ عناصر کے ساتھ ہے

ظاہر میں خاکسار ہوں باطن کو کیا کروں
دل کو لگاؤ اک متکبر کے ساتھ ہے

آلودگی ہے پیکرِ خاکی کی روح تک
گرد و غبار راہِ مسافر کے ساتھ ہے

دل مطمئن نہ ہو تو کسی میں مزا نہیں
عیشِ جہاں مسرتِ خاطر کے ساتھ ہے

دعوائے بے دلیل نہیں فنِ شعر میں
جو ہے محاورہ، وہ نظائر کے ساتھ ہے

شکرِ خدا بعد فنا، روحِ رشک کی
روحِ حبیب ابنِ مظاہر کے ساتھ ہے

---

[1] پہلے کہا تھا ع جس نے منعم کو کیا منعم اسے کمی نہیں

چھیڑ اس نے یہ ہنگامِ ملاقات نکالی
جس بات میں رنجش ہو وہی بات نکالی

گھر اس کا حسینوں سے ہے پریوں کا اکھاڑا
صحبت بھی نکالی تو طلسمات نکالی

تعظیم کے حیلے سے اٹھا یوں کہ نہ بیٹھا
ہم گھر میں گئے تو یہ مدارات نکالی

میں کس لئے روتا، نہ جلاتا جو مجھے تو
ساری تری گرمی نے یہ برسات نکالی

اے جانِ دو عالم تری ایجاد کے صدقے
صورت نئی پائی، تو نئی گات نکالی

آیا جو سفر سے لئے آیا تھے عاشق
سوغات نکالی تو یہ سوغات نکالی

اے رشکِ دلِ زار جو ہے موردِ آفات
اندوہ نے کس دن کی ملاقات نکالی

گات = لفافہ
جسم کی خوشنمائی ظاہر کرنا
صاحب کی جگہ

دیکھے عارض تو صفا لوٹ گئی
دیکھیں زلفیں تو بلا لوٹ گئی

اس کو کہتے ہیں بلا کی رفتار
پاؤں پر زلفِ دوتا لوٹ گئی

دیکھتے ہی ترے پائے رنگیں
شوخیِ رنگِ حنا لوٹ گئی

حسن وہ تھا کہ ہوا حسن کو عشق
کیا ادا تھی کہ ادا لوٹ گئی

تیری ایثار و قناعت جو سنی
طبعِ سلطان و گدا لوٹ گئی

نیستی میں یہ مزا ہے اے رشک
جانِ اربابِ فنا لوٹ گئی

○

آنکھیں ہی دکھاتے ہیں جو دیکھا نہیں کرتے
عاشق کے رلانے کو وہ کیا کیا نہیں کرتے

ایسے ہوئے بیمار، تری آنکھوں کے عاشق
حسرت کی نظر سے بھی اشارہ نہیں کرتے

آنکھوں میں پھرا کرتی ہیں پلکیں تری دن رات
اب تیری مری آہوؤں کے پیلا نہیں کرتے

پرہیز مناسب نہیں عیسیٰ نفسوں کو
بیماروں کو تڑپاتے ہیں اچھا نہیں کرتے

ڈوبیں کہ تریں بحرِ مصائب کے شناور
دریائے محبت سے کنارا نہیں کرتے

ہے جنبشِ لب میں اثرِ چشمِ سخن گو
یوں باتیں کیا کرتے ہیں گویا نہیں کرتے

مسجد چھٹے یا میکدہ، کعبہ چھٹے یا دیر
جانا ترے گھر کا کبھی ناغا نہیں کرتے

وحشی وہ کہا کرتے ہیں، وحشت ہے انھیں کی
خود ہوتے ہیں رسوا، مجھے رسوا نہیں کرتے

دنیا میں بداعمال رہے، دین میں بدنام
اے رشک کوئی کام تم اچھا نہیں کرتے

○

○

یار من من کے بگڑ جاتا ہے
کام بن بن کے بگڑ جاتا ہے

ہم کو بیساختہ بھاتا ہے کلام
یعنی چھن چھن کے بگڑ جاتا ہے

تیرے بگڑے ہوؤں کا قدرت سے
نقشہ بن بن کے بگڑ جاتا ہے

تجھ سے رکنے کا ارادہ جو کروں
جی میں ٹھن ٹھن کے بگڑ جاتا ہے

حالِ الفت ہے زباں زد اے رشکؔ
کام بن بن کے بگڑ جاتا ہے

○

ڈرے بحرِ غم سے یہ وہ دل نہیں ہے
تمنائے آغوشِ ساحل نہیں ہے

گل و شمع و خورشید و ماہ و کواکب
کوئی ان میں تیرے مقابل نہیں ہے

فضائے وجود و فضائے عدم میں
سوائے بقا، حسدِ فاضل نہیں ہے

پھلو، پھولو، دنیا کی لذت اڑاؤ
پر اس باغ سے خاک حاصل نہیں ہے

کیا تنگ تیری دل آزاریوں نے
وہی میں ہوں، پر وہ مرا دل نہیں ہے

جو مشکل ہے مرنا تو مرنا کسی پر
یہ مرنا تو اے رشکؔ مشکل نہیں ہے

○

قولِ آہِ شرر افشاں ہے کہ شعلہ کیا ہے
آنکھیں کہتی ہیں دمِ گریہ کہ دریا کیا ہے

کھول کر زلف کہا از درِ موسا کیا ہے
ہاتھ چمکا کے وہ بولے یدِ بیضا کیا ہے

وعدہ آنے کا جو ٹھہرا ہے تو وقفہ کیا ہے
قول پورا ہو تو نقصان تمہارا کیا ہے

خاک پتھر مجھے معلوم نہیں وحشت میں
رفتِ کوہ ہے کیا، وسعتِ صحرا کیا ہے

مجھ کو دیوانہ کیا سایۂ زلفِ دوتا نے
اے پری دیو کسے کہتے ہیں سایا کیا ہے

چاہیے سایۂ دامانِ عنایت تیرا
سایۂ حور و پری اے بتِ ترسا کیا ہے

سہل ہے مردمِ خاکی کا بگڑنا بننا
اس کے آگے کوئی مٹی کا کھلونا کیا ہے

اپنے بیگانے نہ ہوں ہم ہوں، وہ ہو، خلوت ہو
آرزو کیا کہیں کیا کیا نہیں ہے کیا کیا ہے

چشمِ ظاہر سے جو ہے دیدہ و دانستہ حجاب
دیدۂ باطنِ عشاق سے پردا کیا ہے

تم ابھی آؤ، ابھی مطرب و ساقی آئیں
صحبتِ عیش کے بن جانے میں بگڑا کیا ہے

حیلہ کیا ڈھونڈھتے ہو چھیڑ نکالو آپھی[1]
ہم سے لڑنے اگر آئے ہو، تو جھگڑا کیا ہے

یہ ہوس ہے کہ خدا حرص سے استغنا دے
آرزو کچھ نہ رہے اور تمنا کیا ہے

سرو کس کھیت کی مولی ہے حضورِ قدِ یار
منتہی سدرہ کی بے اصل ہے طوبا کیا ہے

یہی گو ہے، یہی میدان، یہی میں اے رشک
مجھ کو نافہم جو سمجھا ہے وہ سمجھا کیا ہے

○

---

[1] آپھی = آپ + ہی

دیوانِ سوم

عرش ہے پا بہ نام حیدر کا — فوق عالم ہے نام حیدر کا
جزوِ کلمہ ہے نام حیدر کا — ہوں مقرِ لا کلام حیدر کا
جان سے ہوں غلام حیدر کا — دل سے جپتا ہوں نام حیدر کا
خطِ تقدیر رشکؔ میں لکھا
دستِ قدرت نے نام حیدر کا

○

دل زیرِ داغِ جنوں سے ہے توانا میرا — اے اجل مجھ سے لٹے گا یہ خزانا میرا
ناگوارِ دلِ پُرنور ہے آنا میرا — مرتبا آپ نے جانا تو یہ جانا میرا
آگئے آپ، مری مشکلیں آسان ہوئیں — اب تو دشوار نہیں آپ میں آنا میرا
آمد و رفتِ نفس حال بدلتی ہی نہیں — سب زمانوں سے نرالا ہے زمانا میرا
وقتِ طبع ہے حاشا نہ تعلّی نہ خودی
شاہدا رشکؔ ہے بینندہ و دانا میرا

○

کوئی رشکِ مسیح و مہر وش تم سا نہیں دیکھا
کسی کا بام رفعت چرخ چارم سا نہیں دیکھا

مکرر لعل و گہر مسکرانے میں دکھاتے ہو
کوئی اعجاز، اعجازِ تبسم سا نہیں دیکھا

جبینِ خاک آلود آبروئے خاکساراں ہے
طہارت میں مناسب تر تیمم سا نہیں دیکھا

تری چشمِ سخنگو عین خاموشی میں گویا ہے
مزا آنکھوں میں نطقِ نوعِ مردم سا نہیں دیکھا

شہرِ ملکِ جفا تم ہو، شہرِ ملکِ وفا ہم ہیں
یہاں ہم سا نہیں دیکھا، وہاں تم سا نہیں دیکھا

عبث ہوتے ہو ششدر وجہِ حیرت صاف روشن ہے
کہ آئینے نے کوئی سادہ رو تم سا نہیں دیکھا

جہاں رونا سنا میرا، سمجھ کر جھوٹ ہنستے ہیں
جہاں دیکھا مجھے، فرماتے ہیں تم سا نہیں دیکھا

اباحت خمس کی سادات کو اے رشکؔ ازل سے ہے
یہاں کاموں میں کوئی کام پنجم سا نہیں دیکھا

○

لطفِ حیات آپ سے کیا ہم نے کھو دیا
اس کو جو کھو دیا تو ترے غم نے کھو دیا

تقلید کر کے لطفِ جہاں ہم نے کھو دیا
پہلے بہشت حضرتِ آدم نے کھو دیا

انسان کو اعادۂ معدوم سہل ہے
پھر بھی ملا بہشت جو آدم نے کھو دیا

سر پیٹیں اب کہ دستِ تاسف ملا کریں
افسوس مفت پا کے تجھے ہم نے کھو دیا

اے رشکؔ نفع سے یہی نقصان خوب ہے
قاروں کے ساتھ مال ہے، حاتم نے کھو دیا

○

ملکِ عدم کی راہ گذر میں سفر ہوا
یہ ہے نیا سفر کہ سفر میں سفر ہوا

ایک آدھ روز کا ہے تمھارا سفر نصیب
یہ جان لو کہ شام و سحر میں سفر ہوا

مجبور کو ضرور نہیں فکرِ زادِ راہ
قہر و ستم کی ایک نظر میں سفر ہوا

اب ہم ادھر کے ہیں نہ ادھر کے ہیں اے اجل
اب کے سفر ہوا، تو ادھر میں سفر ہوا

کتنے سفر یہاں ہوئے اور بھی ہیں
اک بار اگر لباسِ بشر میں سفر ہوا

اعمالِ نیک کرنے نہ پائے کہ مر گئے
تدبیر و فکرِ زادِ سفر میں سفر ہوا

اے رشک انھیں کے واسطے رونا ہے فرضِ عین
جن کا وطن کو ماہِ صفر میں سفر ہوا

○

جو دل میں تھا وہ دیر میں یا خرد شاں ملا
وہ بت ہمیں کہاں نظر آیا کہاں ملا

افسانے اپنے حال کے کس کو سنائیے
قصے بہاں بھر کے ہوئے وہ بہاں ملا

عیزوں سے ایک آن نہ پایا جدا اسے
ملنے کو اس سے کہتے وہ موقع کہاں ملا

اے رشک کب کسی کو ملا تھا یہ مرتبا
جو سامعِ کلام ملا رہبر داں ملا

○

ہمارے دور میں سامانِ انقلاب رہا
ملی شراب کسی کو، کوئی کباب رہا

سکون طلب جو رہا، وقفِ اضطراب رہا
ہوس مکاں کی جس کو رہی خراب رہا

کسی کو تمبتِ الواں، کسی کو خونِ جگر
محل کسی نے بنایا، کوئی خراب رہا

تمہارے دینے، نہ دینے میں عقل کو کیا دخل
کوئی فقیر رہا، کوئی کامیاب رہا

سلوک پردہ و بے پردہ کا فریفتہ ہوں
کہیں نقاب الٹ دی کہیں حجاب رہا

پہاڑ غصّے کے اربابِ بزم پر ٹوٹے
وہ زیرِ بار رہا جو کہ باریاب رہا

اجل سے موسمِ پیری میں رہ گیا پردہ
سیاہی لحدِ تیرہ کا خضاب رہا

مکانِ یار رہے یا عرصۂ حباب رشک
کہ جو رہا وہ تہِ خوفِ بے حساب رہا

○

لبِ چشم کا جس کو بیمار دیکھا
کئی بار پوچھا کئی بار دیکھا

محبت میں عاشق کو ہشیار دیکھا
یہاں ہے خبر کو خبردار دیکھا

جسے عاشقِ چشم بیمار دیکھا
ستم دیدہ دلا غمزدہ زار دیکھا

اسے کہتے ہیں قتلِ عام اے ستمگر
ترا کاٹ اے غم کی تلوار دیکھا

مکرر دکھائی اسے تیرہ روزی
جسے دے کے سرمہ کئی بار دیکھا

برابر کیا دل نے اے رشک سب کو
نہ بیکار دیکھا نہ باکار دیکھا

○

عاشقِ جمال کا کوئی کیا اور ہو گیا
کیوں ان دنوں مزاج ترا اور ہو گیا

گوشے دبی، دبی یہ کمانِ حضورِ قلب
پھر کیا سبب کہ تیرِ دعا اور ہو گیا

اب آہ میں اثر ہے نہ فریاد میں اثر
یا دن وہ تھے کہ منہ سے کہا اور ہو گیا

ہم کیا کہ بت پرست بھی پہچانتے نہیں
وہ بت نکھر کے نامِ خدا اور ہو گیا

ہستی و نیستی ہے بتوں کے مکان میں
اب خانۂ بقا و فنا اور ہو گیا

خط کہہ رہا ہے آپ کے منہ پر یہ صاف صاف
کچھ اور ہو کے حسنِ صفا اور ہو گیا

تقدیر کے بگاڑ سے کچھ بھی نہ بن پڑی
کچھ کام ہم نے اور کیا، اور ہو گیا

بگڑا مزاجِ برہمن و شیخ کس لیے
بت اور ہو گئے، نہ خدا اور ہو گیا

اے رشک سب کدر نظر آتے ہیں آئینے
حاصل قلوبِ اہلِ صفا اور ہو گیا

○

پہلے اربابِ فصاحت سے مرا نام آیا
سچ ہے یہ بات کہ اعجازِ بیاں کام آیا

عشقِ بلبل ہے پسند چمن آرائے جہاں
غیب سے کیسۂ گل میں زرِ انعام آیا

عشق سے پائی یہ ترکیب اضافی باہم
جب ترا نام لیا، ساتھ مرا نام آیا

اب تو قرآن وہ پڑھنے لگے، تہ کر کے پران
مذہب کفر گیا، مذہب اسلام آیا

وصل رشک و بت ترسا کی مسیحی سن میں
شکر احسان خدا کا بتِ گلفام آیا

○

○

۱۸۵۱ عیسوی

جب ادھر سے وہ بے وفا گذرا
باد پا صورتِ ہوا گذرا

رو دوں بحرِ فنا میں کس کس کو
کہ جو گذرا وہ آشنا گذرا

توسنِ صرصرِ فنا کی طرح
دورِ عہدِ شباب کا گذرا

ایک بت بھی نہیں برہمنِ دوست
ان کی الفت سے اے خدا گذرا

کہتے ہیں مر گیا فقیر ترا
عاملِ نقشِ بوریا گذرا

خضر اک بار اٹھا کے مر جاتے
رنج مجھ پر جو بارہا گذرا

آتشِ عشق جائے چولہے میں
جل گیا، بھن گیا، گیا گذرا

مر کے بھی بات سے نہ گذروں گا
نہ سمجھنا مجھے گیا گذرا

سچ کہا ہے گذشتہ را صلوٰۃ
شکر اے رشک، جو ہوا گذرا

○

دستِ طلب زرِ سوالِ انسان نہ اٹھیگا
سب کچھ ہے مگر دامنِ احساں نہ اٹھیگا

گو زور ملا روئے زمیں کا بھی، تو کیا ہے
کوہِ غم یادِ رخِ جاناں نہ اٹھیگا

ہر پھر کے جو بیٹھا درِ دلدار پر آ کر
وہ مر کے بھی اے گنبدِ گرداں نہ اٹھیگا

ہرگز ترے وحشی کو نہیں دھوپ کی برداشت
بے سایۂ دامانِ بیاباں نہ اٹھیگا

دیوانہ ترا گور میں بے شغل نہیں ہے
ہر گز مہِ دامان و گریباں نہ اٹھیگا

اس پاؤں سے ہم ہاتھ اٹھا بیٹھیں گے اے رشک
عمداً جو سرِ کوچۂ جاناں نہ اٹھے گا

○

بڑھتی ہے وسعتِ دل آٹھ پہر آپ سے آپ
پھیلتی ہے ترے آنے کی خبر آپ سے آپ

سرمہ آنکھوں میں جو دیتے ہو ذرا دیکھ کے دو
نہیں لگتی ہوئی دیکھنی ہے نظر آپ سے آپ

دستِ تقدیر میں ہیں میرے سکون و حرکت
آپ سے آپ حضر ہیں نہ سفر آپ سے آپ

کچھ سبب عالمِ اسباب میں ہر چیز کو ہے
خود بخود نفع نہ دیکھا نہ ضرر آپ سے آپ

ہے ملاقاتِ شبِ رفتہ کی تاریخ اے رشک
مل گیا کل صنمِ رشکِ قمر آپ سے آپ

۱۲۶۷ھ

○

ادھر ادھر پڑے پھرتے ہو کیا نظر کی طرح
جو آئے ہو تو رہو میرے گھر میں گھر کی طرح

عدم و جود سے ہے ایک رات بیچ کی راہ
طرح پسند ہے ہم کو تو اس سفر کی طرح

بجا ہے لوگ کہیں اس کے باب میں جو کچھ
کوئی خراب نہیں تیرے در بدر کی طرح

زبانِ حال سے کہتا ہے انقلاب جہاں
نہ رہیے خانۂ دنیا سمجھ کے گھر کی طرح

تمام واقفِ اسرارِ غیب کہتے ہیں
کہ موئے پیکرِ وہمی نہیں کمر کی طرح

نہ جانتے تھے کہ ایسا بھی دور آئے گا
خراب ہوں گے ہنرمند بے ہنر کی طرح

بجا ہے رشک کو فخرِ تلمیذِ ناسخ
نہ تھا کہیں کوئی اس شخصِ نامور کی طرح

○

رہنما چاہیے ہر صاحبِ ارشاد کے بعد
کوئی مجھ سا نہ ہوا دامنِ فرہاد کے بعد

دوست کا لطف ہے دشمن میں خردمندوں کو
خردہ گیروں سے ملا فائدہ استاد کے بعد

عاجز صنعتِ تازہ نہیں صانع میرا
حضرا ایجاد نہیں عالمِ ایجاد کے بعد

یہ بھی اچھا ہو تو نامِ شعرا رہتا ہے
شعر کا مرتبہ کچھ کم نہیں اولاد کے بعد

ترکِ دنیا میں لگاتا ہے یہ اتنی قید میں
کہ فقیرانہ رہے گی ترے آزاد کے بعد

میرے مٹ جانے سے قیس و نل و فرہاد بڑھے
نام شاگرد جو ہوتا ہے تو استاد کے بعد

داد دینے کو وہ آپ آتے ہیں عاجز ہو کر
ہم بھی اعجاز دکھا دیتے ہیں فرہاد کے بعد

کسی انداز سے مینہ برسے کہ بجلی چمکے
رتبہ ان کا ہے مرے گریۂ فریاد کے بعد

بس ہے تقلید کو اے رشک کلامِ ناسخ
قول استاد بھی استاد ہے استاد کے بعد

○

کیونکر ملے نشان کہیں یا پتا کہیں
پوچھا جو قصدِ سیر کدھر ہے کہا کہیں

متھرا گیا، پراگ، بنارس، اجودھیا
آیا نہیں تو وہ بتِ کافر گیا کہیں

واقع میں اے پری تو اگر میری جان ہے
جب تک نہ ہیں جہان سے جاؤں نہ جائیں

منظور تیرنے کے بہانے سے ہے فراق
ایسا سنا نہیں بتِ ناآشنا کہیں

ہیں ابتدائے عشق کے صدمے بڑے بڑے
یارب نہ ہو محبت بے انتہا کہیں

بحرِ جہاں میں وصل تن و جاں ہے عارض
ہو جائیگا جہاز کہیں ناخدا کہیں

اہلِ صفا کو جوہرِ ذاتی ہے بیٹھنا
اٹھتا نہیں ہے چھوڑ کے گھر آئنا کہیں

سیرِ چمن رقیب کے ساتھ اس کو بھلا ہو
یارب پھلے مرا شجرِ مدعا کہیں

شوقِ سوادِ یثرب و بطحا ہے رشک کو
نکلے زمینِ ہند سے جلد اے خدا کہیں

○

وہ رسوا ہوں کہ سب طرزِ سخن پہچان جاتے ہیں
بھڑک جاتے ہیں زاہد، برہمن پہچان جاتے ہیں

فصاحت میں وہ خوبی ہے کہ چھپتی ہی نہیں ہرگز
مرا انداز اربابِ سخن پہچان جاتے ہیں

تری شوخی، تری وحشت، تری خوبی، تری آنکھیں
چکارے دیکھ لیتے ہیں، ہرن پہچان جاتے ہیں

نہیں بہتر کوئی نقادِ انساں اہلِ دولت سے
روپے والے غریبوں کا چلن پہچان جاتے ہیں

خزاں آنے نہیں پاتی کہ اڑ جاتے ہیں ہوش ان کے
مکرر رنگِ چمن مرغِ چمن پہچان جاتے ہیں

وہی لیتے ہیں جو لکھا ہوا ہے ان کی قسمت میں
یہ مردے کس طرح اپنا کفن پہچان جاتے ہیں

نیا انداز سفاکوں میں ہے اے رشک اسی بت کا
ہمارے تیغ زن کو مردوں پہچان جاتے ہیں

○

جائے راحت جسے اے یار سمجھ لیتے ہیں
ہم ترا سایۂ دیوار سمجھ لیتے ہیں

سادہ رو جتنے ہیں مرغِ نگہِ عاشق کو
بلبلِ گلشنِ بیخار سمجھ لیتے ہیں

سر پھرا ہے کہ جسے پاس اسے پیار کریں
فرقِ دلدار و دلِ آزار سمجھ لیتے ہیں

شعر مضمون دہن، بندش مضمون کمر
آپ کے واقف اسرار سمجھ لیتے ہیں

نقد دل دینے میں سودا نہیں گھاٹا جو ہمیں
کچھ نہ کچھ تیرے خریدار سمجھ لیتے ہیں

ہم جو چکے ہیں رقیبوں کی جفا کاری میں
اثر صحبت دلدار سمجھ لیتے ہیں

کوئی آزار ہو، مر جاتے ہیں جس میں انساں
عشق کا اس کو ہم آزار سمجھ لیتے ہیں

دل لگانے میں نہ سمجھے کوئی نافہم ہمیں
خوب سا پہلے ترا پیار سمجھ لیتے ہیں

گور میں آ کے تو جا سے کھلا یہ اے رشک
دوست کو حیدر کرار سمجھ لیتے ہیں

○

چشم و دل و خیال بشر کی کمی نہیں
رہنے کے واسطے تجھے گھر کی کمی نہیں

ہے پست ہمتی سبب بے لیاقتی
ڈھونڈھے جو آدمی تو ہنر کی کمی نہیں

عجز ملائکہ ہے تمہاری شناخت میں
تنہا عقول جن و بشر کی کمی نہیں

تیرا مکان دیکھنے کو آنکھ چاہیے
کس کا قصور ہے جو نظر کی کمی نہیں

ہر چند بال بال مرا گھل کے مٹ گیا
اس پر بھی عشق موئے کمر کی کمی نہیں

کہتا ہے ضبط عشق، مزا ہے سکوت میں
آہیں پکارتی ہیں، اثر کی کمی نہیں

اے رشک دخل کیا جو نہ پگھلے دل بشر
اچھا کلام ہو تو اثر کی کمی نہیں

○

○

بُت کہاں کا یوں خُدا کی بندگی کرتے نہیں
جو ریاضت ہم نے کی وہ آدمی کرتے نہیں

دشمنِ نخوت خلافِ آشتی کرتے نہیں
نیک طینت خاکساروں کی بدی کرتے نہیں

ان کی باتوں سے کھلا نقروں میں لگا لینگے ہمیں
دل لگا کر چھینتے ہیں، دل لگی کرتے نہیں

باندھتے ہیں کر کے محو دامِ خط و دامِ زلف
جیلہ گر ایسے ہیں کھلکر دشمنی کرتے نہیں

کم سُنا کر عالموں کے فقرے اور جادو کلام
تجھ کو پھسلاتے ہیں تسخیر پری کرتے نہیں

مر کے ان کا نام فی الواقع رہے گا برقرار
بے قراری جو قرارِ واقعی کرتے نہیں

اب گوارا ہو گیا سامانِ ہجر و وصل کا
رنج کا ماتم، مسرت کی خوشی کرتے نہیں

صاف اے رشک اس غزل کو گنتے ہیں معشوقِ ہم
جس میں مدحت ناسخ مغفور کی کرتے نہیں

○

○

جھکیں تو لطف و عنایات بے قیاس کریں
یہ بت وہ ہیں جسے چاہیں خدا شناس کریں

نشست اگر وہ گھڑی بھر ہمارے پاس کریں
ہم ان کی آٹھ پہر مدحت و سپاس کریں

جو رات دن میں پہر بھر وہ باغ میں ٹھہریں
ہجومِ بلبل و پروانہ آس پاس کریں

گلے رقیب کے اے رشک ہیں خلاف قیاس
ہم اپنے حال پر اس کو نہ کیوں قیاس کریں

○

وہ چلمن سے ہماری کاہشِ تن دیکھ لیتے ہیں
یہاں ہم ان کی تیاری کی چلمن دیکھ لیتے ہیں

رہوں دیر و حرم میں کس طرح چھپکر خداوندا
مشائخ تاڑ لیتے ہیں برہمن دیکھ لیتے ہیں

معاذ اللہ یہ ترسا ہیں طے الارض کے حاکم
کہ ہم منڈیادیہ جاتے ہیں تو لندن دیکھ لیتے ہیں

یہ تھوڑا رنج ہے اللہ رے پردا شوخ ترسا کا
بہت ہم دیکھ لیتے ہیں تو چلمن دیکھ لیتے ہیں

عیوبِ شعر ہیں گویا عروسِ پردۂ معنی
چھپاتے ہیں ہمارے دوست دشمن دیکھ لیتے ہیں

کہاں کی دوستی بکتے ہیں اے رشک اسکے ہاتھوں ہم
متاعِ جان و دل کا جس کو دشمن دیکھ لیتے ہیں

○

شمع کب ٹھہرے گی پھر صورتِ پروانہ کہیں
نہ سنائیں خبر جلوۂ جاناں کہیں

نقدِ دیں دل نہ کہیں بنتِ عنب کو پوجے
زن پرستی نہ کرے ہمتِ مردانہ کہیں

یا الٰہی کہیں ساقی مع مطرب آئے
جلد ہو عیش و طربخانہ یہ غمخانہ کہیں

غیر کے لفظ و معانی سے یہ نفرت ہے مجھے
کہ غزل بھر میں نہیں معنیٔ بیگانہ کہیں

خبرِ آمدِ جانانہ ہے بیٹھا ہے رشک
موت سے کہدو یہاں سے ابھی جانا نہ کہیں

○

شکل صورت — فرضی

مجھے کہتے ہیں سب موہوم پیکر ہو تو ایسا ہو
کمر کے غم میں حالِ جسم لاغر ہو تو ایسا ہو

زرِ انصاف و نقدِ آبرو پر جان دیتا ہوں
اگر رندوں میں کوئی طالبِ زر ہو تو ایسا ہو

مجھے خاکِ زمینِ گور فخرِ مسندِ جم ہے
قناعت پیشہ کو تکیہ خدا پر ہو تو ایسا ہو

جلاتا ہے غضب میں، قتل کرتا ہے عنایت میں
جو مشفق ہو تو ایسا ہو ستمگر ہو تو ایسا ہو

مقرِ یار ہیں بلقیس و میکائیل و رضواں تک
ملک سیرت، پری رو، حور و پیکر ہو تو ایسا ہو

جناب مہر رشکِ بینوا کو لوگ کہتے ہیں
سخنداں ہو تو ایسا ہو، سخنور ہو تو ایسا ہو

○

ان دنوں داد ٹپکنے لگی بیداد کے ساتھ
اُن کے آنسو نکل آئے مری فریاد کے ساتھ

یہ ترے سایہ پرائے جان ترا دھوکا تھا
صاف سمجھا میں پریزاد، پریزاد کے ساتھ

لوحِ مرقد بھی نہ کھدوائی گئی شیریں سے
خاک پتھر نہ کیا تربتِ فرہاد کے ساتھ

دشتِ غم میں مرے آہوئے حواسِ خمسہ
چوکڑی بھول گئے آمدِ صیاد کے ساتھ

طبعِ انسان میں نہیں نام پریشانی کا
کس قدر نظم ہے طبیعت اضداد کے ساتھ

صاف آنکھوں میں پھرا جلوۂ مرگِ اے قاتل
زندگی بھول گئی مجھ کو تری یاد کے ساتھ

گلشنِ حرص نہ پھولا، نہ پھلا دنیا میں
باغِ شدّاد کی حسرت گئی شدّاد کے ساتھ

اب جو بندھتے ہیں تو مضمونِ غم و رنج اے رشک
شاعری کی جو خوشی تھی گئی استاد کیساتھ

○

حسرت تمام اے گلِ رعنا نکل گئی
دیدار زلف و رخ کی تمنا نکل گئی

اکسیر سے زیادہ ہے رتبے میں خاکِ گور
حرص و ہوائے مردمِ دنیا نکل گئی

احوالِ دل تونگر مفلس سے پوچھئے
دے دے کے داغ، دولتِ دنیا نکل گئی

سلوار ہے ہو ہو نہ ہو مرے کس گناہ پر
وہ بات میرے منہ سے کہو کیا نکل گئی

اس قندلب نے آکے کھلائے مجھے کباب
اے رشک حسرتِ من و سلوا نکل گئی

○

جو دھوئیں رات آہ اگر کھینچیں تمھارے دل جلے
مہر تاباں کی طرح سر سے سرِ کامل جلے

آ گئی جب عام سوزی پر تری برقِ نگاہ
رند و فاسق، شیخ و زاہد، عالم و فاضل جلے

لوگ کہتے ہیں نہیں بجھتی ہے پکے گھر کی آگ
پختہ کاروں سے یہ پوچھا چاہیے جب دل جلے

قابلیت پوچھئے برقِ تبسم کی اگر
ہنس کے فرماتے ہیں، جو ہو جلنے کے قابل جلے

آتشِ قہرِ خدا ہے خانہ بربادی کی آگ
قدر اسی کو ہے کہ جس کا گھر جلے یا دل جلے

جس جگہ ٹھہرے ترا آتش نفس، آتش قدم
شہر ہو تو گھر جلے، پردیس ہو منزل جلے
ان کے سرگرمانِ الفت کے لقب اے رشکؔ سن
گرم رو، آتش نفس، تفتیدہ خاطر دل جلے

○

دلِ زاہد و برہمن چھین لیں گے
بنارس بتِ گلبدن چھین لیں گے
نہ تازی ہیں لفظیں، نہ مضمون تازے
کفن دزد کس سے کفن چھین لیں گے
زباں تو پیدا کریں پہلے حاسد
اسی منہ سے طرزِ سخن چھین لیں گے
قلم ہیں قلمدان میں مردِ میداں
یہ وہ سورما ہیں کہ رن چھین لیں گے
ڈراتے ہیں باتوں سے ایسا کہ گویا
کلام و زبان و دہن چھین لیں گے
یہ غارت گرِ اے رشکؔ زوروں چڑھے ہیں
توانِ دل و جانِ تن چھین لیں گے

○

گذر کے آپ سے وہ رہ گزر ملے تو ملے
زبان بے خبری سے خبر ملے تو ملے
پناہ منعمِ نافہم سے معاذ اللہ
امید نفع کہاں ہے، ضرر ملے تو ملے
خزاں میں بلبل و طاؤس کا پتا کیسا
چمن کی خاک میں ایک آدھ پر ملے تو ملے
بقائے نام میں یہ کیفیتیں ہیں بعدِ فنا
بلا سے خاک میں اہلِ ہنر ملے تو ملے
مری زبان میں تاثیر ہو یہ باتیں ہیں
تری طرف سے دعا میں اثر ملے تو ملے
ہم آپ سے نہیں ملنے کے اس میں کچھ ہو جائے
وہ آ کے آپ سے اے رشکؔ اگر ملے تو ملے

○

○

رقیب روسیہ سے یار صبح و شام ملتا ہے
ہمارے بخت سوتے ہیں، اسے آرام ملتا ہے

نہ دیکھی خواب میں جز کنج مدفن جائے آسائش
وہیں آرام ملتا ہے، اگر آرام ملتا ہے

نہیں موقوف اولاد و کمال و خلق و دولت پر
بڑی تقدیر ہے دنیا میں جس کو نام ملتا ہے

عمارت کی عجب افتاد ہے تبدیل دوراں میں
کسی کا نام مٹتا ہے کسی کو نام ملتا ہے

بجز ذبح و اسیری مرغ روح رشک کیا جانے
تڑپنے میں پھڑکنے میں اسے آرام ملتا ہے

○

ہم کو باڑھ اپنی دکھا جاتی ہے بیجا گومتی
چشم دریا بار ہے ایک ایک گویا گومتی

اب ہوئی دریافت وجہ تسمیہ اے بحر حسن
گھومتی ہے تیری جویائی میں گویا گومتی

آبرو ہے احتراز کوچہ و بازار میں
شہر سے بیجا نہیں کرتی کنارا گومتی

گھومتی کس کس بیابان و نواح شہر سے
سننے آئی ہے ترا گانے میں لہرا گومتی

صاف طرز شست و شوے آپ سے ظاہر ہوا
رکھتی ہے تیرے نہانے کی تمنا گومتی

صاف سرگردانی گرداب سے ظاہر ہوا
یار کی مشتاق ہے اے رشک گویا گومتی

تازہ پھول
حسن محقق

○

سننے کو جو تم وصف دہن گھر سے نکلتے
کلمے لب عاشق سے گل تر سے نکلتے

وصف لب جاں بخش میں کہتے ہیں بدخشی
لعل ایسے نہ دیکھے کبھی پتھر سے نکلتے

ہم لوگ ہیں مرغان گلستان شہادت
کیونکر چمن جوہر خنجر سے نکلتے

جوہر ابھی کھل جاتے، ہر اک سینہ سپر کے
تم باندھ کے تلوار اگر گھر سے نکلتے

لکھواتے جو غزلیں ترے خلاق مضامیں
مضمون ہزاروں خط مسطر سے نکلتے

پھولوں میں یہ شوخی، نہ یہ رنگت، نہ یہ تقریر
کس بات میں لعلِ لبِ دلبر سے نکلتے

اللہ کی قدرت ہیں بتو کان جڑاؤ
زیور نہ سنے تھے، کبھی پتھر سے نکلتے

لے رشک بھرا کرتے ہو کیا نقشِ محبت
دیکھا نہیں مدت سے تمھیں گھر سے نکلتے

○

صفتِ کنہِ دہن میں وہی ہم سے بڑھ جائے
نیستی میں جو بیابانِ عدم سے بڑھ جائے

ختم ہم پر ہے صفاتِ قد و گیسوے دراز
پھر قیامت ہے جو اس میں کوئی ہم سے بڑھ جائے

اے جنونِ دشتِ نوردی میں وہ ہوں رنج طلب
صحت و طاقتِ پا، دردِ درم سے بڑھ جائے

حق و باطل کی نہیں عشقِ مجازی میں تمیز
کس طرح یادِ خدا، یادِ صنم سے بڑھ جائے

قدرتِ قصر و درازیِ حیات آپ ہیں ہے
عمر گھٹ جائے ستم سے تو کرم سے بڑھ جائے

دُرِ دریائے معانی کی ہے افراط اے رشک
وہ ہے غواصِ یمِ فکر، جو ہم سے بڑھ جائے

○

فخر رکھتے نہیں مُردوں کے جلانے والے
ڈھونڈھیے طالعِ خوابیدہ جگانے والے

کیوں پس و پیش کریں زور جتانے والے
جا کے ایامِ جوانی نہیں آنے والے

نظرِ ترکِ نگاہ اُن سے جھپک جاتی ہے
آپ نے دیکھے نہیں آنکھ لڑانے والے

کیا ہوئے عاشق و معشوق زمانہ افسوس
نہ رہے روٹھنے والے، نہ منانے والے
اے بتو تم جو خدا ٹھہرے تو ہم بندے ہیں
نہ بلاؤ گے تو ہرگز نہیں آنے والے
خاک رہتا نہیں آرام جہانِ فانی
خاک میں سوتے ہیں آرام اٹھانے والے
کیوں نہیں بیشتر بطحا کے ارادے اے رشک
جاتے ہیں کوچۂ دلدار کے جانے والے

○

ماخذ

نظم مبارک و نظم گرامی — مطبوعہ باہتمام مولوی محمد حسین — سنہ ۱۲۶۱ھ
ایضاً — ایضاً — سنہ ۱۲۶۳ھ
نظم آخریں (قلمی) — مرتبہ محمد انصار اللہ
میر علی اوسط رشک، حیات اور خدمات (قلمی) — از محمد انصار اللہ
خوش معرکۂ زیبا۔ از سعادت خاں ناصر، مرتبہ مشفق خواجہ مطبوعہ سنہ ۱۹۷۰ء
آبِ حیات، از محمد حسین آزاد۔ شائع کردہ یوپی اردو اکادمی سنہ ۱۹۸۲ء